فیہ شفاء للناس

تفسیر سورۃ جمعہ

فرمودہ جناب

فخرِ امت حضرت حکیم مولوی نور الدین صاحب احمدی ادام اللہ فیوضہ و برکاتہ

جس کو

اُن کے ایک عاشق - خادمِ غلام

عاجز محمد حسین قریشی عفی اللہ عنہ

مالک کارخانہ رفیق الصحت جیلی کابلی مل لاہور

نے

نہایت سوزِ دل کے ساتھ خلق اللہ کی ایک بے نظیر خدمت تصور کر کے

و نیز اپنے ہر طرح کے دینی و دنیاوی فائدے کے لئے

کمال شوق کے ساتھ

نولکشور پریس ناگلی لاہور میں چھپوا کر

شائع کیا

بار اول

قیمت فی جلد ۴؍

www.aaiil.org

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا | پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے | جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا
سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں | مئے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ | وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

اعلان

مجھے اس رسالہ کے متعلق کچھ کہنے کی خصوصاً احمدی جماعت کو ترغیب خریداری کیلئے مطلق ضرورت نہیں کیونکہ وہ محض بفضل خداوند کریم بطفیل سیدنا جناب حضرت مسیح موعود نور من اللہ الاحد والصمد قرآن کریم کی عظمت اور اسکو سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت اور فائدے کو ایک حد تک بخوبی سمجھنے لگی ہے۔ مجھے انکی خدمت میں صرف اتنا ہی عرض کر دینا ہے کہ اول تو یہ کلامِ پاک حضرت خداوند احدیت سے ہے۔ دوم اسکا مفسر اپنے پایہ کا وہ بے نظیر شخص ہے جسکی علمی قابلیت عملی خصوصیت احمدی جماعت کے علاوہ مخالف ہندوستان ہی بلکہ اکثر بلادِ غیر میں بھی مسلّم ہے۔ سوئم یہ سورۃ پاک جسکی تفسیر کا اعلان آپکے روبرو ہے۔ کلامِ خداوند کریم۔ الرحمٰن۔ الرحیم کا وہ عجیب و غریب حصہ ہے جسکا پڑھنا۔ سمجھنا۔ سمجھانا ہر ایک مومن کی زندگی کا پہلا فرض معلوم ہوتا ہے۔ خود مفسر موصوف (خدا کی لاکھ لاکھ رحمتیں انکے شاملِ حال ہوں) نے اس سورۃ مبارک کی تفسیر کرتے ہوئے بڑے دردِ دل سے جو کچھ فرمایا ہے وہ آپ صفحہ ۲ پر ملاحظہ فرماویں۔ اسکے بعد خدا تعالےٰ کے فضل سے اگر آپکا دل رقت اور جوش سے گواہی دے اٹھے اور اس بات کی ضرورت محسوس ہو کہ اسکی اشاعت کی ملک میں بحد ضرورت ہے تو آپکا یہ سب سے اہم فرض ہونا چاہئیے کہ جسطرح آپ سے ہو سکے خواہ خود خرید کر خواہ ترغیب دیکر خواہ اعلان کر کے اپنے تمام دوستوں ملاقاتیوں رشتہ داروں عزیزوں وغیرہ کے ہاتھ اسکی ایک ایک کاپی پہنچا دیں۔ والسلام۔ وما علینا الا البلاغ۔

عاجز محمد حسین قریشی حویلی کابلی مل لاہور

فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ
هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ
يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ
لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ مَثَلُ
الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ
بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ
دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ
اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ
الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

یہ ایک سورہ شریف ہے۔ اور ایسی مہتم بالشان سورہ ہے کہ مسلمانوں

میں جمعہ کے دن پہلی رکعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد صحابہ۔ تابعین تبع تابعین کے زمانہ تک سنائی جاتی تھی۔ اور اب تک بھی پڑھی جاتی ہے۔ اس سے تم اندازہ کرلو کہ کس قدر مسلمان گذرے ہیں۔ اور آج تک کس قدر جمعے پڑھے گئے ہیں۔ اور پھر اس سورہ شریف کو پڑھ کر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا اتباع کیا ہے۔ اور اس سورہ کو جمعہ کے دن خصوصاً پڑھ کر لوگوں کو آگاہ کیا ہے۔ پھر جمعہ ہی کو نہیں۔ بلکہ احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم جمعرات کو بھی عشا کی پہلی رکعت میں اس کو پڑھا کرتے تھے۔ پس ہر ہفتہ میں دوبار جہری قرأت کے ساتھ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سورہ کو پہنچایا ہے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے۔ کہ ہمارے سیّد و مولے صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر اہتمام اس سورۃ کی تبلیغ میں تھا۔ پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ اس سورۂ شریف پر بہت بڑی غور و فکر کریں۔ اور میں تمہیں پکار کر کہتا ہوں کہ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ ۔

میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس التزام اور اہتمام پر نظر کر کے اس سورۃ شریف پر خاص غور کی ہے۔ یوں تو قرآن شریف میری غذا اور میری تسلّی اور اطمینان کا سچا ذریعہ ہے۔ اور میں جب تک ہر روز اس کو کئی مختلف رنگ میں پڑھ نہیں لیتا۔ مجھے آرام اور چین نہیں آتا۔ بچپن ہی سے میری طبیعت خدا تعالیٰ نے قرآن شریف پر تدبّر کرنے والی رکھی ہے۔ اور میں ہمیشہ دیر دیر تک قرآن شریف کے عجائبات اور بلند پروازیوں پر غور کیا کرتا ہوں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو اس قدر اہتمام اس کی تبلیغ میں کیا ہے۔ اس نے مجھے اس سورہ شریف پر بہت ہی زیادہ غور اور فکر کرنے کی طرف متوجہ کیا اور میں نے دیکھا ہے کہ اس سورہ شریف میں قیامت تک کے عجائبات سے آگاہ کیا گیا ہے

بڑے بڑے عظیم الشان مقاصد جو جمعہ میں رکھے گئے ہیں اُن سے آگاہ کیا ہے
میرا اپنا خیال نہیں نہیں ایمان بلکہ اِس سے بھی بڑھ کر میں کہتا ہوں میرا یقین ہے۔
اور میں علیٰ وجہ البصیرۃ کہتا ہوں کہ وُہ ٹھوکریں جو اِس عظیم الشان جمعہ (منجملہ ان
کے مسیح موعود کے نزول کا مسئلہ بھی ہے) میں لوگوں کو لگی ہیں۔ اگر رسُول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے اِس التزام پر عمیق نگاہ کی جاتی اور اس سُورۃ پر متدبر ہوتا تو میں کہہ سکتا
ہوں کہ بہت کم مشکلات ان لوگوں کو پیش آتیں +

غرض یہ سُورۃ اپنے اندر لاانتہا حقائق اور عجائبات رکھتی ہے۔ اور قیامت
تک کے واقعات کو بیان کرتی ہے۔ جن پاک الفاظ سے اِس کو شروع کیا گیا ہے۔
اگر کم از کم اُن الفاظ پر ہی غور و فکر کی جاتی تو مجھے اُمید ہوتی ہے کہ اسماء الٰہی میں تو
کم از کم ٹھوکر نہ لگتی۔ وہ پاک الفاظ جن سے اس سُورہ کا شروع ہوتا ہے یہ ہیں:۔
يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ
جو کچھ زمین و آسمان میں ہے وُہ سب اللہ تعالےٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔ اُس اللہ کی جو
الملک ہے القدوس ہے العزیز ہے اور الحکیم ہے +

تسبیح کیا ہوتی ہے؟ سُورہ بقرہ کے اِبتدا میں اللہ تعالےٰ نے ملائکہ کی زبان سے بتایا
ہے۔ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔ قرآن شریف میں جہاں تسبیح کا لفظ
آیا ہے۔ وہاں کچھ ایسے اِحسان اور اِنعام مخلوق پر ظاہر کئے ہیں جن سے حمد الٰہی
ظاہر ہوتی ہے۔ اور اُن اِحسانات اور اِنعامات پر غور کرنے کے بعد بے اِختیار
ہو کر انسان حمد الٰہی کرنے کے لئے اپنے دل میں ایک جوش پاتا ہے ہمارے پاک
سید و مولیٰ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا ہے۔ سُبْحَانَ الَّذِيْ

اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔ اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد ہوتا ہے۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی۔ غرض جہاں جہاں ذکر آیا ہے۔ خدا کے محامد۔ بزرگیاں اور عجیب شان کا تذکرہ ہوتا ہے۔ تو اس سورہ کو جو یُسَبِّحُ لِلّٰہِ سے شروع فرمایا گیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے محامد اور انعامات اور احسانات اور فضلِ عظیم کا تذکرہ یہاں بھی موجود ہے۔ ہر چیز جو زمین اور آسمان میں ہے وہ اللہ تعالےٰ کی تسبیح کرتی ہے یہ ایک بدیہی اور صاف مسئلہ ہے۔ نادان دہریہ یا حقائق الاشیاء سے ناواقف سوفسطائی اس راز کو نہ سمجھ سکے تو یہ امر دیگر ہے مگر مشاہدہ بتا رہا ہے کہ کس طرح پر ذرہ ذرہ خدا تعالیٰ کی تقدیس اور تسبیح بیان کر رہا ہے۔ دیکھو ایک لو جو زمین سے نکلتی ہے۔ بلکہ میں اس کو وسیع کر کے یوں کہہ سکتا ہوں کہ وہ پتہ جو بول و براز میں سے نکلتا ہے۔ کیسا صاف شفاف ہوتا ہے۔ کیا کوئی وہم و گمان کر سکتا تھا کہ اس گندگی میں سے اس قسم کا لہلہاتا ہوا سبزہ جو آنکھوں کو طراوت دیتا ہے نکل سکتا ہے؟ اس پتہ کی صفائی۔ نزاکت۔ اور نطافت خود اس امر کی زبردست دلیل اور شہادت ہے کہ وہ اپنے خالق کی تسبیح کرتا ہے۔ اس طرح پر ذرا اور بلند نظری سے کام لو اور دیکھو کہ انسان کے جس قدر عمدہ کام ہیں وہ روشنی میں کرتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے جتنے عجائبات ہیں وہ سب پردہ میں ہوتے ہیں اور پھر کیسے صاف۔ کیسے دل خوش کن اور اللہ کی تسبیح کرنے والے ہوتے ہیں۔ ایک انار کے دانہ کو دیکھو کیسے انتظام اور خوبی کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ کیا وہ دانہ اللہ تعالےٰ کی تسبیح نہیں کرتا؟ اسی طرح آسمان اور آسمان کے عجائبات اور اجرام کو دیکھو۔ نیچر کے عجائبات سے

ناواقف تو عجائبات نیچر کی ناواقفیت کی وجہ سے یہ کہہ دیتا ہے کہ فلاں امر خلاف نیچر ہے۔ مگر میرا یقین یہ ہے کہ جس جس قدر سائنس اور دوسرے علوم ترقی کرتے جائینگے اُسی قدر اسلام کے عجائبات اور قرآن شریف کے حقائق اور معارف زیادہ روشن اور درخشاں ہونگے۔ اور خدا کی تسبیح ہوگی +

غرض یہ سچی بات ہے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالےٰ کی تسبیح کرتا ہے۔ ہر ایک ذرہ گواہی دیتا ہے کہ وہ خالق ہے۔ اور اُسی کی ربوبیت اور حیات اور قیومیت کے باعث ہر چیز کی حیات اور قائمی ہے۔ اُسی کی حفاظت سے محفوظ ہے۔ پھر یہ بھی کہ وہ اللہ الملک ہے وہ مالک ہے۔ اگر سزا دیتا ہے تو مالکانہ رنگ میں اگر پکڑتا ہے تو جابرانہ نہیں بلکہ مالکانہ رنگ میں تاکہ ماخوذ شخص کی اصلاح ہو۔ پھر وہ کیسا ہے؟ القدوس ہے اُس کی صفات و حمد میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو نقصان کا موجب ہو بلکہ وہ صفات کاملہ سے موصوف اور ہر نقص اور بدی سے منزہ القدوس ہے +

قرآن شریف پر تدبر نہ کرنے کی وجہ سے کہو یا اسماء الٰہی کی فلسفی نہ سمجھنے کی وجہ سے۔ غرض یہ ایک بڑی غلطی پیدا ہو گئی ہے۔ کہ بعض وقت اللہ تعالیٰ کے کسی فعل یا صفت کے ایسے معنے کر لئے جاتے ہیں جو اُس کی دوسری صفات کے خلاف ہوتے ہیں۔ اس کے لئے تمہیں **ایک گر بتاتا ہوں** کہ قرآن شریف کے معنے کرنے میں ہمیشہ اس امر کا لحاظ رکھو کہ کبھی کوئی معنے ایسے نہ کئے جاویں جو صفات الٰہی کے خلاف ہوں۔ اسماء الٰہی مدنظر رکھو اور ایسے معنے کرو اور دیکھو کہ قدوسیت کو بٹہ تو نہیں لگتا۔ لغت میں ایک لفظ کے بہت سے معنے ہو سکتے

ہیں اور ایک ناپاک دل اِنسان کلام الٰہی کے گندے معنے بھی تجویز کرسکتا ہے۔ اور کتاب الٰہی پر اعتراض کر بیٹھتا ہے۔ مگر تم ہمیشہ یہ لحاظ رکھو کہ جو معنے کرو اُس میں دیکھ لو کہ خدا کی صفت قدوسیت کے خلاف تو نہیں ہے؟ اللہ تعالےٰ کے سارے کلام حق و حکمت کے بھرے ہُوئے ہوتے ہیں جس سے اُس کی اور اُس کے رسُول اور عامۃ المومنین کی عزّت و بڑائی کا اظہار ہوتا ہے ۔

لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں کو معزّز کرتا ہے۔ اور پھر اُن سے بڑھکر اپنے رسُولوں کو عزّت دیتا ہے۔ اور سچّی عزّت اور بڑائی حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے۔ غرض ہر قول و فعل میں مومن کو لازم ہے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کی عزّت کا خیال کرے کیونکہ وہ العزیز ہے ۔

ظالم طبع اِنسان کی عادت ہے کہ جب خُدا تعالےٰ کی طرف سے ایک فعل سرزد ہوتا ہے تو اُس میں وُہ اپنی طرف سے نکتہ چینی کرنے لگتا ہے۔ آدم کی بعثت پر نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ کہنے والے اپنی کمی علم اور نا واقفی کی وجہ سے اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ پکار اُٹھے۔ مگر چُونکہ یہ گروہ صاف طینت تھا آخر اُس نے اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ کہکر اللہ تعالےٰ کے اِس فعل **خلافت آدم** کو حکمت سے بھرا ہُوا تسلیم کر لیا۔ مگر وُہ لوگ جو خدا سے دُور ہوتے ہیں وہ عجائبات قدرت سے نا آشنا محض اور اسماء الٰہی کے علم سے بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے خیال اور تجویز کے موافق کچھ چاہتے ہیں جو نہیں ہوتا۔ جیسا ہمارے سردار سرور عالم فخر بنی آدم صلے اللہ علیہ وسلّم کی بعثت پر کہہ اُٹھے۔ لولا انزل علی رجل من القریتین عظیم۔ یہ لوگ اللہ تعالےٰ کو الحکیم نہیں مانتے۔ ورنہ وُہ اِس قسم کے اعتراض

نہ کرتے اور یقین کر لیتے کہ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہٗ۔ اسی طرح شیعہ نے خلافتِ خلفاء پر بعینہ وہی اعتراض کئے۔ جو کفار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر کئے +

حکیم کے معنے ہی ہیں۔ اپنے محل پر ایک چیز کو رکھنے والا۔ اور مضبوط و محکم رکھنے والا۔ پھر اگر الحکیم صفت پر ایمان ہو تو بعثتِ خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم پر انکار کر کے کیوں اپنے ایمان کو ضائع کرتے۔ غرض اللہ تعالےٰ یہاں بتاتا ہے۔ کہ اُس کے قول و فعل میں سراسر **حکمت** ہوتی ہے۔ اسلئے اِس کے انکار سے بچنے کے لئے یہی اصول ہے کہ اللہ تعالےٰ کو **الحکیم مانو** +

پس جو کچھ زمین و آسمان میں ہے وہ اللہ تعالےٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔ اُس اللہ کی جو الملک۔ القدوس۔ العزیز الحکیم ہے۔ زمین و آسمان کے تمام ذرات اور اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اُس کی اُن صفات پر گواہ ہیں۔ پس زمینی علوم یا آسمانی علوم جس قدر ترقی کرینگے خدا تعالیٰ کی ہستی اور ان صفات کی زیادہ وضاحت زیادہ صراحت ہوگی۔ **میں اپنے ایمان سے کہتا ہوں کہ میں ہرگز ہرگز تسلیم نہیں کرتا کہ علوم کی ترقی اور سائینس کی ترقی قرآن شریف یا اسلام کے مخالف ہے**۔ سچے علوم ہوں وہ جس قدر ترقی کرینگے قرآن شریف کی حمد اور تعریف اُسی قدر زیادہ ہوگی +

اِس سورہ شریف کو ان پاک الفاظ سے شروع کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ اپنا ایک انعام پیش کرتا ہے۔ **هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝** اُس اللہ نے جس کی تسبیح زمین و آسمان کے ذرات اور اجرام

کرتے ہیں اور ہر شے جو اُن میں ہے۔ وہ اللہ جو الملک القدوس العزیز الحکیم ہے اُمیوں
میں (عربوں میں) اُن میں ہی کا ایک رسُول اُن میں بھیجا جو اُنپر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتا
ہے۔ اور ان کو پاک صاف کرتا ہے۔ اور ان کو الکتاب اور الحکمۃ سکھاتا ہے۔ اور اگرچہ
وہ اس رسُول کی بعثت سے پہلے کھُلی کھُلی اور خُدا سے قطع تعلق کر دینے والی گمراہی
میں تھے۔

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی بعثت مکہ والوں میں اللہ تعالیٰ کی عزت
اور حمد کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ کیونکہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے
اہلِ دُنیا اُس رشتہ سے جو انسان کو اپنے خالق کے ساتھ رکھنا ضروری ہے بالکل بیخبر
اور نا آشنا تھے۔ ہزاروں ہزار مُشکلات اس رشتہ کے سمجھنے ہی میں پیدا ہو گئی تھیں اُس
کا قائم کرنا اور قائم رکھنا تو اور بھی مُشکل تر ہو گیا تھا۔ کُتُبِ الٰہیہ اور صُحفِ انبیاء عَلَیہِمُ
السَّلَامُ میں تاویلاتِ باطلہ نے اصل عقائد کی جگہ لے لی تھی۔ اور پھر ان کی خلاف
ورزی مقدرت سے باہر تھی۔ دُنیا پرستی بہت غالب ہوئی ہوئی تھی۔ اِن کے بڑے
بڑے سجادہ نشین احبار اور رہبانوں کو اپنی گدیاں چھوڑنا محال نظر آتا تھا۔ خدا تعالےٰ
نے بڑے لوگوں کا ذِکر کیا۔ کیونکہ اس سے چھوٹوں کا خُود اندازہ ہو سکتا۔ اگر ہم ایک امیرا
کی حالت بیان کریں کہ ایک قحط میں اُس پر فاقہ کشی کی مصیبت ہے تو اس سے چھوٹے
درجے کے زمیندار کا حال خُود بخُود معلوم ہو جاتا ہے۔ قرآن شریف نے نہایت جامع
الفاظ میں فرما دیا ہے کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ جنگلوں اور سمندروں میں
غرض ہر جگہ تری و خشکی پر فساد نمودار ہو چکا ہے۔ وُہ جو اپنے آپ کو ابراہیم کے فرزند
کہلاتے تھے۔ اُن کی نسبت قرآن ہی نے خود شہادت دی ہے اَکْثَرُهُمْ فَاسِقُوْنَ

اُن میں اکثر لوگ فاسق تھے۔ اور یہاں تک فسق و فجور نے ترقی کی ہوئی تھی کہ جَعَلَ مِنۡهُمُ الۡقِرَدَةَ وَالۡخَنَازِيۡرَ۔ یہ اُس وقت کے لکھے پڑھے علما سجادہ نشین خدا کی کتاب مُقدس کے وارث لوگوں کا نقشہ ہے کہ وُہ ایسے ذلیل و خوار ہیں جیسے بندر اور ایسے شہوت پرست اور بیحیا ہیں جیسے خنزیر۔ اِس سے اندازہ کرو اُن لوگوں کا جو لکھے پڑھے نہ تھے جو کتاب مُقدس کے وارث تھے۔ جو موسیٰؑ کی گدی پر نہ بیٹھے ہُوئے تھے۔ پھر یہ تو اِن کے اخلاقِ بد عاداتِ بد یا عزّت و ذلت کی حالت کا نقشہ ہے۔ اگرچہ ایک دانشمند اخلاقی حالت اور عرفی حالت کو ہی دیکھ کر روحانی حالت کا پتہ لگا سکتا ہے۔ مگر خُود خدا تعالےٰ نے بھی بتا دیا کہ رُوحانی حالت بھی ایسی خراب ہو چُکی تھی کہ وُہ عبد الطاغوت بنگئے تھے یعنے حدُود الٰہی کے توڑنیوالوں کے عبد بنے ہُوئے تھے ان کے معبُود طاغوت تھے۔ اب خیال کرو کہ اخلاقی حالت پر وُہ اثر رُوح پر یہ صدمہ عزت کی وُہ حالت! یہ ہے وُہ قوم جو نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ کہنے والی تھی۔ اس چھوٹے درجہ کی مخلوق کا خُود قیاس کر لو۔ یہ نقشہ کافی ہے۔ عقائد کے سمجھنے کے لئے یہ کافی ہے۔ عزت و آبرُو کے سمجھنے کے لئے کہ جو بندر کی عزت ہوتی ہے۔ پھر یہ نقشہ کافی ہے اخلاق کے معلوم کرنے کے لئے جو خنزیر کے ہوتے ہیں کہ وُہ سارا بیحیائی اور شہوت کا پُتلا ہوتا ہے ؏

جب ان لوگوں کا حال مَیں نے سُنایا جو نحن ابناء اللہ و احبّائہٗ کہتے اور ابراہیم کے فرزند کہلاتے تھے تو عیسائیوں پر قیاس کر لو۔ اُن کے پاس تو کوئی کتاب ہی نہ رہی تھی۔ اور کفارہ کے اعتقاد نے اُن کو پُوری آزادی اور اباحت سکھا دی تھی۔ اور عربوں کا حال تو ان سب سے بدتر ہوگا جن کے پاس آج تک کتاب اللہ

پُہنچی ہی نہ تھی۔ اور پھر یہ خصُوصیّت سے عرب ہی کا حال نہ تھا۔ ایران میں آتش پرستی ہوتی تھی۔ سچے خدُا کو چھوڑ دیا ہُوا تھا۔ اور اہرمن اور یزداں دو جُدا جُدا خدُا مانے گئے تھے۔ ہندوستان کی حالت اِس سے بھی بدتر تھی جہاں پتھروں۔ درختوں تک کی پُوجا اور پرستش سے تسلّی نہ پاکر آخر عورتوں اور مردوں کے شہوانی قوےٰ تک کی پرستش جاری ہو چکی تھی۔ غرض جس طرف نظر اُٹھا کر دیکھو جدھر نگاہ دوڑاؤ۔ دُنیا کیا بلحاظ عبادات اور معاملات ہر طرح ایک خطرناک تاریکی میں مُبتلا تھی۔ اور دُنیا کی یہ حالت بالطبع چاہتی تھی کہ ؏

مردے از غیب برُوں آید و کارے بکند

چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک رسُول کو عربوں میں مبعُوث کیا جیسا کہ فرمایا۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ الآیۃ +

یہ رسُولؐ صرف عربوں ہی کے لئے نہ تھا باوصفیکہ عربوں میں مبعُوث ہُوا۔ بلکہ اس کی دعوت عام اور کُل دُنیا کے لئے تھی جیسا کہ اُس نے کُل دُنیا کو مخاطب کر کے سُنایا :۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

اے لوگو میں تم سب کی طرف رسُول ہو کر آیا ہُوں۔ اور پھر ایک اَور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنے ہم نے تم کو تمام عالموں پر رحمت کے لئے بھیجا ہے۔ اسی لئے وہ شہر جہاں سرورِ عالم فخرِ بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور پایا ام القرےٰ ٹھیرا۔ اور وہ **کتاب مبین** جس کی شان ہے لَا رَيْبَ فِيْهِ وہ **ام الکتب** کہلائی۔ اور وہ لسان جس میں ام الکتب

اُتری اُم الالسنہ ٹھیری۔ یہ محض خدا یتعالیٰ کا فضل تھا جو آدم زاد پر ہوُا۔
اور بالخصوص عربوں پر اس رسُول نے آکر کیا کیا؟
یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ٥ پہلا کام یہ کیا کہ اُنپر خدا کی آیات پڑھ دیں یتلوا علیھم اٰیاتہ۔ پھر نرے پڑھ دینے سے تو کچھ نہیں ہوسکتا اِسلئے دُوسرا کام یہ کیا ویزکیھم اُن کو پاک صاف کیا ؛

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کس قدر عظیم شان اور بلند مرتبہ ہے۔ دُوسرے کسی نبی کی بابت نہیں کہا کہ یزکیھم۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتی قُوتِ قُدسی اور قُوتِ تاثیر کا اِس سے اندازہ ہوسکتا ہے۔ کہ آپ نے عربوں اور دُوسری قوموں پر کیا اثر ڈالا۔ عرب کی تاریخ سے جو لوگ واقف ہیں وُہ جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر اِس کی کایا پلٹ دی۔ ان کے اخلاق۔ عادات اور ایمان میں ایسی تبدیلی کی۔ جو دُنیا کے کسی مصلح اور ریفارمر کی قوم میں نظر نہیں آتی۔ جو شخص اِس ایک ہی امر پر غور کریگا۔ تو اُسے بغیر کسی چوُن وچرا کے ماننا پڑیگا کہ ہمارے سیّد و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قوت قدسی اور تاثیر قوی اور افاضۂ برکات میں سب نبیوں سے بڑھ کر اور افضل ہیں۔ اور یہی ایک بات ہے۔ جو قرآن شریف اور آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم کی ضرورت دُوسری تمام کتابوں اور نبیوں کے مقابلہ میں بدیہی ثبوت ہے ؛

عیسائیوں نے حضرت مسیح کی شان میں غلو تو اِس قدر کیا کہ (باوجودیکہ وُہ اپنی عاجزی اور بیکسی کا ہمیشہ اعتراف کرتے رہے۔ اور کبھی خُدائی کا دعوےٰ نہ کیا)

اُن کو خُدا بنا دیا۔ لیکن اگر ان سے پُوچھا جاوے کہ اس خُدا نے دُنیا میں آ کر کیا کیا؟ تو مَیں دعوے سے کہتا ہُوں کہ کوئی قابلِ اطمینان جواب اس قوم کے پاس نہیں ہے یہ ہم مانتے ہیں کہ جب مسیح آئے اُس وقت یہُودیوں کی ایمانی اور اخلاقی حالت بُہت ہی گری ہُوئی تھی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان کے اخلاق اور عادات اور ایمان میں کیا تبدیلی کی؟ جبکہ وہ اپنے حواریوں کا بھی کامل طور پر تزکیہ نہ کر سکے تو اوروں کو تو کیا فیض پہنچتا۔

یہی موجُودہ انجیل جو اس قوم کے ہاتھ میں ہے۔ اِس سے صاف معلُوم ہوتا ہے کہ چند لالچی اور ضعیف الایمان آدمیوں کے سوا وہ کوئی جماعت جو اپنے تزکیہ نفس میں نمونہ ٹھیر سکتے دُنیا کے سامنے پیش نہ کر سکے جو ہمیشہ اپنے مرشد و امام کے ساتھ بیوفائی کرتے رہے حتےٰ کہ بعض اُن میں سے اُس کی جان کے دُشمن ثابت ہُوئے مگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن شریف نے دعوے کیا ہے ویزکیہم اور اس دعوے کا ثبوت بھی دِیا۔ جبکہ اُن میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی۔ وُہ قوم جو بُت پرستی میں غرق تھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والی ہی ثابت نہیں ہُوئی۔ بلکہ اِس توحید کو جوش اور صدق سے اُنھوں نے قبُول کیا کہ تلواروں کے سایہ میں بھی اِس اقرار کو نہیں چھوڑا۔ مُلک و مال احباب رشتہ داروں کو چھوڑنا منظور کیا۔ مگر اِس چھوڑی ہُوئی بُت پرستی کو پھر منظور نہ کیا۔ اپنے سیّد و مولےٰ رسُولؐ کے ساتھ وہ وفاداری اور ثباتِ قدم دِکھایا جس کی نظیر دُنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔ یہاں تک کہ غیر قوموں کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑا۔ یہ واقعات ہیں جن کو کوئی جھُٹلا نہیں سکتا اسلئے مجھے ضرورت نہیں کہ میں اِس پر کوئی لمبی بحث کروں۔

میرا مطلب اور مدعا صرف یہ ظاہر کرنا ہے۔کہ دوسرا کام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ ان کا تزکیہ کیا کہ ان کی حالت یہاں تک پہنچی۔ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْکُوْنَ وَیَزِیْدُھُمْ خُشُوْعًا۔ وہ روتے ہوئے ٹھوڑی کے بل گر پڑتے ہیں اور ان کو فروتنی میں ترقی ملتی ہے اور یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا۔ اپنے خدا کے سامنے سجدہ اور قیام میں رات کاٹ دیتے ہیں تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔ راتوں کو اپنی خوابگاہوں اور بستروں سے اُٹھ اُٹھ کر خوف اور اُمید سے اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ پھر یہاں تک ان کا تزکیہ کیا کہ آخر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کی سند ان کو ملگئی۔کسی ہادی اور مصلح کی ایسی سچی تاثیر اور تزکیہ کا پتہ دو۔ میں نے ہزاروں ہزار کتابیں پڑھی ہیں اور دنیا کے مختلف مذاہب کو ٹٹولا اور تحقیق کیا ہے۔ میں دعوےٰ سے کہتا ہوں کہ اس قسم کی حیرت انگیز تبدیلی کوئی ہادی۔ پیغمبر۔ نبی۔ رسول اپنی قوم میں نہیں کر سکا۔ جو ہماری سرکار نے کی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

یہ چھوٹی سی بات نہیں یہ بہت بڑی عظیم الشان بات ہے۔ اِس وقت بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی اور تاثیر افاضۂ برکات کا ایک زندہ نمونہ موجود ہے جس سے آپ کی شان اور ہمت اور علوِ مرتبت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ وہ تیرہ سو سال کے بعد بھی اپنی تاثیریں ویسی ہی زبردست اور قوی رکھتا ہے۔ جس سے ہم ایک اربعہ متناسبہ کے قاعدہ سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اُس کی تاثیریں ابدی ہیں اور وہ ابد الآباد کے لئے دنیا کا ہادی

اور رسُول ہے۔ اِس وقت ہمارا امام زندہ نمونہ ہے۔ ان برکات اور فیوض کا جس نے آکر ان برکات اور فیوض اور قدسی تاثیروں کا ثبوت دیا ہے۔ جو صحابہ کی کامیاب قوم پر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی فیض صُحبت سے ہُوئیں۔ اگر دُنیا میں کسی اَور نبی کے برکات اور فیوض اس قسم کے ہیں تو پھر ہم ان کے ماننے والوں کو چیلنج کرتے ہیں کہ اگر اُنھوں نے اپنی قوم کا تزکیہ کیا تھا تو اس کے ثبوت کے لئے آج کوئی مُزکّی نفس پیش کرو۔ اَوروں کو جانے دو یسُوع مسیح کو خدا بنانے والی قوم اُس کی خُدائی کا کوئی کرشمہ اب ہی دِکھائے۔ مگر یہ سب مُردہ ہیں۔ جو ایک مُردہ کی پرستش کرتے ہیں۔ اسلئے وہ زندوں کا مُقابلہ نہیں کر سکتے۔

غرض دُوسرا کام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ وُہ آیات جو آپ نے پڑھ کر سُنائیں اپنے عمل سے اور اس کی تاثیروں سے بتا دیا کہ اس کا منشاء کیا ہے؟ منشا بھی بتا دیا اور عمل کرا کر بھی دِکھا دیا۔ کیونکہ کتاب کا پڑھنا اور اس کے مطالب و منشا سے آگاہ کر دینا کوئی بڑا کام نہیں۔ جبتک کوئی اَیسی بات نہ ہو کہ عمل کرنے کی رُوح پیدا ہو جاوے۔ کتاب کا پڑھنا بھی ضائع ہو جاتا ہے جبکہ کوئی سُننے کے لئے طیار نہیں۔ جبتک پڑھنے والا خُود نہیں سمجھتا۔ دُوسروں کو سمجھا نہیں سکتا۔ اِس لئے نہایت ضروری ہے کہ پہلے تعلیمات صحیحہ آ جاویں پھر ان کو پُہنچایا جاوے اور سمجھایا جاوے کہ کیسے عمل درآمد ہوتا ہے یا خُود کر کے دکھایا جاوے۔ یہ ضروری مرحلہ ہے۔ غور کر کے دیکھو کہ کیا یہود کے سامنے ایک بڑا بھاری انبار کتاب کا نہ تھا کیا مجوس کے پاس کتابیں نہ تھیں۔ کیا عیسائی اپنی بغل میں کتاب مقدس مارے نہ پھرتے تھے۔ اور کیا اِن میں عُمدہ باتیں بالکل نہ تھیں؟ تھیں اور ضرور تھیں مگر

ان میں اگر کچھ نہ تھا تو صرف یہی نہ تھا کہ اُنپر عمل کرا دینے والا کوئی نہ تھا۔ جب تک ایک رُوح اس قسم کی نہ آوے جو اِنسان کو مُزکّی بناوے۔ اس وقت تک اِنسان اِن تعلیمات سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔

مَیں بیرُونی مذاہب کو چھوڑ کر اندرُونی فرقوں کی طرف توجّہ کرتا ہُوں کیا یہی قرآن شریف جو ہمارے سرورِ عالم سیّدِ ولدِ آدم صلّے اللہ علیہ وسلّم لیکر آئے تھے۔ اِس وقت سُنّیوں شیعوں۔ خوارج اور اور بہت سے فرقوں کے پاس نہیں ہے؟ کیا واعظ۔ امام۔ قاری۔ اور دُوسرے لوگ اِن میں نہیں ہیں؟ مگر سب دیکھیں اور اپنی اپنی جگہ غور کریں کہ کیا اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں؟ یہ سچّی بات ہے کہ جب تک کوئی مزکّی نہ ہو تو تعلیمات سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ یہی وجہ تھی کہ رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ یہ صدی جس میں مَیں ہُوں۔ بڑی خیر و برکت کی بھری ہُوئی ہے۔ اور حقیقت میں وُہ صدی بڑی ہی با برکت تھی۔ کیونکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اِس میں موجُود تھے۔ اور آپ کی وساطت سے لوگ تزکیہ سے متمتع ہوتے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دُوسری صدی بھی اِس پہلی کی طرح خیر و برکت والی ہوگی۔ اور پھر تیسری پر بھی اِس پہلی کا اثر پڑیگا۔ مگر اِس کے بعد جھُوٹ پھیلجاویگا۔ اب غور طلب یہ امر ہے۔ کہ کیا قرآن شریف اِس چوتھی صدی میں نہ رہا تھا۔ جس میں جھُوٹ کے پھیلنے کی آپ نے پیشگوئی فرمائی۔ کیا تعامل اور حدیث ان میں نہ تھی؟ پھر وُہ کیا بات ہے جو یفشوا الکذب کہا؟ بات اصل یہی ہے کہ وہ مُزکّی ان میں نہ رہا۔ مُزکّی کو اُٹھے ہُوئے تین سو سال گذر گئے۔ بہت سے نادانوں نے مجھ سے سوال کیا کہ ہم مہدی یا مسیح یا امام کی کیا ضرورت رکھتے ہیں جبکہ دلائل سے

نتائج تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر امام کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے اُن سے پوچھا ہے کہ اگر تمہیں امام کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو اتنا بتاؤ کہ کتاب کی موجودگی میں مُعلّم کی کیا ضرورت ہوتی ہے؟ اگر کہو بولی کے لئے ضرورت ہے؟ تو میں پھر کہتا ہوں۔ اچھا بولی سمجھتے ہو؟ ایک عمدہ پڑھا ہُوا آدمی جس نے قرآن کو خوب پڑھا ہے۔ اور فرض کرو وُہ قاری بھی ہو۔ وُہ اپنی جان پر تجربہ کرکے صاف صاف بتا دے کہ گھر میں لمبی قرأت کی نمازیں کس قدر پڑھتا ہے؟ اور باہر کس قدر؟ جس قدر جماعت میں التزام کیا جاتا ہے کیا گھر میں بھی ویسا ہی اِلتزام کیا جاتا ہے؟ لیکن جب دیکھا جاتا ہے کہ باوصفیکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب نماز پڑھائے تو امام کو چاہیئے کہ مُقتدیوں کا لحاظ کرے۔ اِن میں کوئی ضعیف ہے۔ کوئی بیمار ہے۔ وغیرہ۔ اسلئے اِن کے لحاظ پر چھوٹی چھوٹی سُورتیں پڑھے لیکن تنہائی میں نمازوں کو لمبا کرے۔ مگر غور کرکے دیکھ لو کہ معاملہ بالکل اِس کے برخلاف اور قضیہ بِالعکس ہے۔ مَینے بہت ٹٹولا ہے اور دیکھا ہے کہ جبکہ یہ حدیث صحابہ تک پُہنچتی ہے اور کِذب کا کوئی اِحتمال نہیں رہتا تو پھر عملدرآمد کا نہ ہونا صریح اِس امر کی دلیل ہے کہ ایک قُوّت اور کشش کی ضرورت ہے۔ جو نہیں پائی جاتی ٭

ریل گاڑی کی گاڑیوں کو دیکھو اگر ان میں باہم زنجیروں کے ذریعہ پیوند بھی قائم کیا گیا ہو لیکن سٹیم انجن ان کو کھینچنے والا نہ ہو تو کیا کوئی یقین کر سکتا ہے کہ وُہ گاڑیاں باہم مِلاپ کی وجہ سے ہی چل نکلیں گی؟ ہرگز نہیں۔ اِس سے مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ نرا اتحاد بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ جب تک اس وحدت کے

مفاد سے متمتع کرنے والا کوئی نہ ہو۔ غرض ہر حال میں ایک امام کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا کہ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ۔ جو کچھ آپ فرماتے اور تلاوت کرتے وُہی کرکے بھی دِکھا دیتے۔ اور اپنے عمل سے اس کو اور بھی مؤثر بنا دیتے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ واعظ اگر خُود کہہ کر عمل کرنے والا نہ ہو تو اس کا وعظ بالکل بیمعنی اور فضول ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسی لئے مُزکی ٹھیرے کہ آپ جو تعلیم دیتے تھے پہلے خُود کرکے دِکھا دیتے تھے۔ پانچ وقت نماز پڑھنے کا حُکم دیا۔ اور خُود پڑھ کر دِکھا دی۔ دیکھو امام کو کس قدر اِلتزام کرنا پڑتا ہے۔ پھر آپ پانچوں نمازوں کے خُود امام ہُوا کرتے تھے۔ اِس سے قیاس کرلو کہ آپ کو کس قدر التزام کرنا پڑتا تھا۔ پھر اِن پانچوں نمازوں کے علاوہ تہجّد اور دُوسرے نوافل بھی پڑھتے۔ اور بعض وقت تہجّد میں اِتنی اِتنی دیر تک اللہ تعالےٰ کے حضور کھڑے رہتے کہ آپ کے پائے مبارک مُتورّم ہو جاتے۔ جس سے آپ کا یہ اِلتزام بھی پایا جاتا ہے کہ عام اور فرض نمازوں سے زیادہ بوجھ آپ نے اپنے اُوپر رکھّا ہُوا تھا۔ پھر روزہ کی تعلیم دی۔ آپ نے ہفتہ میں دوبار مہینہ میں تین روزے اور سال بھر میں مُعیّن مہینہ روزے رکھ کر دکھائے۔ اور شعبان اور شوال بھی روزے رکھا کرتے گویا قریب چھ مہینے سال میں روزے رکھ کر بتا دئے۔ حج کرکے دکھا دیا۔ خذوا عنّی مناسککم۔ پھر زکوٰۃ کی تعلیم دی۔ زکوٰۃ لیکر اور خرچ کرکے دِکھا دی۔ اِسی طرح جو تعلیم دی اُسے خُود کرکے دِکھا دیا۔ جس سے تزکیہ نفوس ہُوا ایک طرف تلاوت آیات کرتے تھے۔ اور دُوسری طرف تزکیہ نفوس کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ ابھی امام نہ تھے مگر نماز روزہ حج زکوٰۃ کے مسائل جانتے تھے۔

امام بخاریؒ بھی امام ہونے سے پہلے نماز روزہ ادا کرتے تھے۔ کیوں؟ اسلئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعامل سے سب کچھ پہلے ہی سکھا دیا ہوا تھا۔ اگر ایک بھی حدیث دُنیا میں قلمبند اور جمع نہ کی جاتی۔ تب بھی یہ مسائل بالکل صاف تھے۔

غرض اللہ تعالےٰ کے فضل کے لئے مُزکی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ بڑی بڑی کتابوں والے عبدالطاغوت ہو جاتے ہیں۔ اور جب یہ حالت پیدا ہوتی ہے اور قوم کے **دماغ** اور **دِل** (علماء اور مشائخ) کی حالت بگڑ جاتی ہے۔ اُس وقت وہ مُزکی آتا ہے۔ اور اصلاح کرتا ہے۔ جب قوم اور مُلک ضلال مبین میں پھنس جاتا ہے تو ایک اِنسان خُدا سے تعلیم پاکر آتا ہے جو قوم کو نجات دیتا ہے۔ اور تزکیہ نفس کرتا ہے۔ خیالی ریفارمروں اور جھوٹے دعویداروں اور خدا تعالےٰ کے مامور و مرسلوں میں بھی امتیاز اور فرق یہی ہوتا ہے کہ اوّل الذکر کہتے ہیں پر کر کے نہیں دکھاتے اور تزکیہ نفس نہیں کر سکتے۔ مگر خُدا کے مامور اور مُرسل جو کہتے ہیں وُہ کر کے دکھاتے ہیں۔ جس سے تزکیہ نفوس ہوتا ہے۔ ان کے قلوب صافیہ سے جو کچھ نکلتا ہے وُہ دُوسروں پر مؤثر ہوتا ہے۔ ان میں جذب اور اثر کی قُوّت ہوتی ہے جو دُنیا دار ریفارمروں میں نہیں ہو سکتی اور نہیں ہوتی۔ اور نہیں ہوئی۔ پس اُس نافہم کے سوال کا جواب اِس سے بخوبی حل ہو سکتا ہے جو کہتا ہے کہ کسی کے آنے کی کیا ضرورت ہے۔ اِن آیات میں اللہ تعالےٰ نے مامور کے آنے کا وقت صاف بتا دیا ہے۔ جبکہ فرمایا وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○ اس کی آمد اور بعثت سے پہلے ایک کھلی گمراہی پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ اور مَیں نے ابھی تمہیں بتایا ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دُنیا کی کیا حالت تھی اور پھر

کس طرح آپ نے آکر اصلاح کی اور تزکیہ نفوس فرمایا۔ جو لوگ علم تاریخ سے واقف ہیں اُنپر یہ امر بڑی صفائی کے ساتھ مُنکشف ہو سکتا ہے۔ اِس سے بڑھ کر تزکیہ نفوس کا کیا ثبوت مل سکتا ہے کہ آپ نے کوئی موقع اِنسان کی زندگی میں ایسا جانے نہیں دیا۔ جس میں خُدا پرستی کی تعلیم نہ دی ہو۔ مَیں ایک چھوٹی سی اور معمولی بات پیش کرتا ہُوں۔ پاخانہ کے لئے جانا ایک طبعی تقاضا اور ضرورت ہے۔ مَیں دعوٰی سے کہتا ہُوں کہ اِس وقت کے لئے کسی ہادی اور مصلح نے کوئی تعلیم اِنسان کو نہیں دی۔ مگر ہمارے ہادی کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت بھی اِنسان کو ایک لطیف اور بیش قیمت سبق خُدا پرستی کا دیا ہے۔ جس سے آپ کے اُن تعلقاتِ محبّت کا جو خُدا سے آپ کے لئے تھے۔ صاف پتہ لگ سکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وُہ اِنسان کو کس بُلند رُتبہ پر پُہنچانا چاہتے تھے۔ چُنانچہ آپ نے اس وقت تعلیم دی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ یعنی جس طرح پر ان گندگیوں کو تُو نکالتا ہے دُوسری گندگیوں سے جو اِنسان کی رُوح کو خراب کرتی ہیں بچا جیسے پاخانہ جاتے وقت دُعا تعلیم کی وَیسے ہی پاخانہ سے نکلتے وقت سکھایا ہے۔ غُفْرَانَکَ۔ غور تو کرو کہ کس قدر تزکیہ نفس کا خیال ہے۔ حضرت ابو الملّۃ ابو الحنفا ابراہیم علیہ السّلام اپنی دُعا میں کہتے ہیں:۔ وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیَاتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ۔ پھر اگر مُزکّی کی ضرورت نہ تھی تو اس دُعا کی کیا ضرورت؟ تلاوت کو اِسلئے مُقدّم رکھا کہ علم تزکیہ کے مراتب سکھاتا ہے اور تزکیہ کو بعد میں اِس لئے رکھا ہے کہ بدُون تزکیہ علم کام نہیں آتا۔ اِس لئے کتاب کے بعد تزکیہ کا ذِکر

کر دیا۔

اور چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ خیر القرون قرنی اور پھر دوسری اور تیسری صدی کو خیر القرون کہا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ثُمَّ یفشو الکذب اب ایک نادان اور خدا کی سُنّت سے ناواقف کہہ سکتا تھا کہ آپ کی قوّتِ قدسی معاذ اللہ ایسی کمزور تھی کہ تین صدیوں سے آگے مؤثر نہ رہی۔ اِس لئے اللہ تعالےٰ نے ایسے کور باطن کے جواب کے لئے فرمایا:۔

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ

آپ کی قوّتِ قدسی ایسی مؤثر اور نتیجہ خیز ہے کہ تیرہ سو سال کے بعد بھی ویسا ہی تزکیہ کر سکتی ہے۔ چنانچہ واٰخرین منھم لمّا یلحقوا بھم کا وعدہ فرمایا۔ یعنی ایک اور قوم آخری زمانہ میں آنے والی ہے جو بلاواسطہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے فیض اور برکات حاصل کریگی۔ اور ایک بار اور ہم اسی رسول کی بعثت بروزی کرینگے وہ بعثت بھی اسی کے ہم رنگ ہوگی جو فِی الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا کے وقت تھی۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اُمت کے اعمال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچائے جاتے ہیں۔ پس سوچو کیسی تڑپ آپ کو پیدا ہوئی ہوگی۔ جب آپ کو بتایا گیا ہوگا کہ اس قسم کے حاشئے چڑھائے جاتے ہیں۔ جن سے امرِ حق کو شناخت کرنا قریباً محال ہوگیا ہے۔ اور وہ باتیں داخلِ اسلام کر لی گئی ہیں۔ جن کا اسلام سے کوئی تعلق اور واسطہ نہ تھا۔ اِس لئے اللہ تعالےٰ نے وعدہ فرمایا کہ اِس عِلم کو دوبارہ بھیج دینگے۔ فی الامیّین رسولاً کی بعثت کریں گے۔ اس کی توجّہ اُنپر ڈالیں گے جو لمّا یلحقوا بھم کے مصداق ہیں۔ یعنی ابھی نہیں آئے۔

آنے والے ہیں ؀

یہ سُنّت اللہ اور استمراری عادۃ اللہ ہے کہ جب دُنیا میں بدی پھیلتی ہے۔ بدی کیسی؟ لکھے پڑھے بھی بندر سؤر اور عبد الطاغوت ہو جاتے ہیں۔ خُدا کا خوف دِلوں سے اُٹھ جاتا ہے اور انسانیت مسخ ہو کر حیوانیت اور بہیمیت سی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے تباہ شدہ مخلوق کی دستگیری کے لئے ایک مامُور دُنیا میں بھیجتا ہے۔ جو آکر ان کی گمشدہ متاع پھر ان کو دیتا ہے۔ اور خبیثوں اور طیب لوگوں میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ اِس قاعدہ کو مدِنظر رکھ کر صاف اشارہ ملتا ہے کہ خُدا تعالیٰ کِس وقت مُعلّم اور مُزکّی کو بھیجتا ہے؟ اس کی شناخت کا کیا طریق اور نشان ہونا چاہئے؟ یہ بڑی بھاری غلطی پھیلی ہُوئی ہے۔ کہ جب کوئی مامُور دُنیا میں آتا ہے۔ تو ناواقف اور نادان انسان اپنی کمزور خیال کے پیمانہ اور معیار سے اِس کو پرکھنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اس کو پرکھنے کے لئے وُہ معیار اختیار کرنا چاہئے۔ جو راستبازوں کے لئے ہمیشہ ہوتا ہے ؀

گورداسپور میں ایک موقع پر ایک شخص حضرت امام علیہ السّلام کے متعلّق مُجھ سے کچھ سوال کرنے آیا۔ مَیں نے جب اِس سے یہ کہا کہ تم وُہ معیار پیش کرو جِس سے تم نے کِسی کو راستباز مانا ہے۔ تو وہ خاموش ہی ہو گیا۔ اور سلسلۂ کلام کو آگے نہ چلا سکا۔ یہ بڑی پکّی اور سچّی بات ہے کہ راستباز ہمیشہ ایک ہی معیار سے پرکھے جاتے ہیں اور ان میں کوئی نرالی اور نئی بات نہیں ہوتی۔ چنانچہ ہمارے ہادیِ کامل فخرِ بنی آدم حضرت محمّد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کو

ارشادِ الٰہی یوں ہُوا۔ قل ما کنت بدعاً من الرّسل کہدے مَیں کوئی نیا رسُول دُنیا میں نہیں آیا۔ دُنیا میں مجھ سے پہلے رسُول آتے رہے ہیں۔ تم نے اگر کسی کو راستباز اور صادق مانا ہے تو جس قاعدہ اور معیار سے مانا ہے تو وہی قاعدہ اور معیار میرے لئے بس ہے۔ مَیں نے قرآن شریف کے اِس استدلال کی بناء پر بارہا ان لوگوں سے جو حضرت میرزا صاحب کے متعلق سوال او بحث کرتے ہیں۔ پُوچھا کہ تُم نے کبھی کسی کو دُنیا میں راستباز اور صادق تسلیم کیا ہے یا نہیں؟ اگر کیا ہے تو وہ ذریعے اور معیار کیا تھے؟ جن ذریعوں سے تُم نے صادق تسلیم کیا ہے۔ پھر میرا ذمہ ہو گا کہ اُس معیار پر اپنے صادق امام کی راستبازی اور صداقت ثابت کر دُوں۔ مَیں نے بارہا اِس گُر اور اصول سے بہتوں کو لاجواب اور خاموش کرایا ہے۔ اور یہ میرا مُجرّب نُسخہ ہے۔ اِس راہ سے اگر چلو تو تم تمام مباحث کا دو لفظوں میں فیصلہ کر دو۔ گورداسپور کا جو واقعہ مَیں نے بیان کیا ہے۔ جو لوگ میرے ساتھ تھے اُنھوں نے دیکھا ہے کہ باوجودیکہ سوال کرنے والا بڑا چلبلا اور چالاک آدمی تھا۔ مگر میرے اِس سوال پر وُہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ بعض آدمیوں نے اس کو کہا بھی کہ تم کسی کا نام لے دو۔ اس نے یہی کہا کہ مَیں نام لیتا ہُوں تو مرتا ہُوں۔ (یعنی ماننا پڑتا ہے اور لاجواب ہُونگا) *

غرض یہ ایک سُنّت اللہ ہے۔ خُدا کا اٹل قانُون ہے کہ جب دُنیا پر ضلالت کی ظُلمت چھا جاتی ہے۔ اور یہ بیدینی اور فسق و فجور کی رات اپنے اِنتہا تک پُہنچ جاتی ہے تو اسی قانُون کے مُوافق جو ہم رات دِن دیکھتے ہیں کہ رات کے آخری حصّہ میں آسمان پر صُبح صادق کے وقت روشنی کے آثار نظر آنے لگتے

ہیں۔ کوئی آسمانی نور اُترتا ہے۔ اور دُنیا کی ہدایت اور روشنی کا مُوجب ٹھیرتا ہے ؂

اِسی طرح پر ہم دیکھتے ہیں کہ جب اِمساکِ باراں حد سے گذرتا ہے جس کا نام عام لوگوں نے ہفتہ رکھا ہے کہ سات سال سے زیادہ نہیں گذرتا۔ تو سمجھنے والا سمجھتا ہے کہ اب بارش ضرور ہوگی ؂

اِس قسم کے نشانات خدا تعالےٰ کے ایک اٹل اور مُستقل قانُون کا صاف پتہ دیتے ہیں۔ اگر آنکھ بالکل بند نہ ہو اگر دِل بالکل سویا ہُوا نہ ہو تو اِس بات کا سمجھ لینا کہ رُوحانی نظام بھی اسی طرح واقع ہے کچھ مشکل نہیں مگر یہ آنکھ بھی بصیرۃ اور دِل کی بیداری بھی اللہ تعالےٰ ہی کے فضل پر موقُوف ہے۔ مَیں غور کرتے کرتے اِس نتیجہ پر پُہنچا ہُوں کہ ماموُر من اللہ اور راستباز کی شناخت کے لئے ہر قسم کے دلائل مِل سکتے ہیں۔ انفسی اور آفاقی دونوں قسم کے دلائل ہوتے ہیں یعنی اندرُونی اور بیرُونی دلائل۔ اندرُونی دلائل میں سے ایک عقل بھی ہے پھر اس کے ساتھ نقل کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ اور اُسے سمجھ سکتے ہیں۔ اگر اپنی عقل یا نقل کافی نہ ہو تو دُوسرے عقیل اور فہیم لوگوں سے سُن کر فایدہ اُٹھا سکتے ہیں ؂

بارہا میرے دِل میں یہ سوال پیدا ہُوا ہے کہ عقل مقدم ہے یا نقل اور کیا ان دو میں کوئی تعارض اور تناقض تو نہیں؟ مَیں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ سماعی چیزوں پر بھی عقل فیصلہ دیتی ہے۔ جیسے فرمایا گیا ہے۔ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ۔ اور پھر عقل صریح اور نقل صحیح میں ہرگز کوئی

تعارض نہیں ہوتا۔ دونوں کا ایک ہی فیصلہ ہے۔ اور عقل مقدم ہے کیونکہ انسان مکلف نہیں ہو سکتا۔ جب تک سوچنے اور سمجھنے نہ لگے پس اب ہم اس مدعی کے دعوٰے کے امتیاز کے لئے عقلی اور نقلی دلائل سے اگر فیصلہ چاہیں تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے۔ کہ واقعی یہ خدا کی طرف سے **مامور** ہو کر آیا ہے۔

عقل سے پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا ہو گا کہ کیا اس وقت کسی کے آنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ تو جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ خدا تعالیٰ کا مستقل اور اٹل قانون ہمیں بتاتا ہے کہ اس کی طرف سے ایسے وقت پر مامور آتے ہیں اور آنے چاہئیں۔ اور پھر جب ہم نقل سے اس کا موازنہ کرتے تو نقل صحیح ہم کو بتاتی ہے کہ یہ وقت خدا کے ایک مامور کے آنے کا ہے۔ تمام کشوف اور رویا اور الہام اس پر شہادت دیتے ہیں کہ **مسیح موعود** اور مہدی کا زمانہ چودھویں صدی ہی سے آگے نہیں۔ ہر صدی پر مجدد کے آنے کا وعدہ بجائے خود ظاہر کرتا ہے کہ ایک عظیم الشان مجدد اس وقت ہونا چاہیئے۔ اور چونکہ صلیبی فتنہ کثرت سے پھیلا ہوا ہے۔ اس لئے اس صدی کے مجدد کا نام بہر حال کاسر الصلیب ہی ہو گا خواہ وہ کوئی ہو۔ اور پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں میں کاسر الصلیب جس کا نام رکھا گیا ہے وہ وہی ہے جس کو دوسرے الفاظ میں مسیح موعود کہا گیا ہے۔ اور اسی طرح سے خدا تعالیٰ کے پاک کلام پر جب ہم نگاہ کرتے ہیں۔ تو اور بھی صفائی کے ساتھ یہ بات کھل جاتی ہے کہ اس نے وعدہ کیا کہ اسی اُمت میں سے خلفاء کا ایک سلسلہ اسی نہج اور اسلوب پر قائم

ہوگا۔ جیسے بنی اسرائیل میں ہُوا۔ اور پھر یہ بھی کھول کر بیان کیا گیا۔ کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اِس دعوے اور پیشگوئی کے مطابق جو استثناء کے باب میں کی گئی تھی مثیل موسیٰ ہیں۔ اور قرآن نے خُود اس دعوے کو لیا۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا

اب جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ ٹھہرے اور خلفاء موسویہ کے طریق پر ایک سلسلہ خلفائے محمدیہ کا خُدا تعالےٰ نے قائم کرنے کا وعدہ کیا۔ جیساکہ سورۂ نُور میں فرمایا :-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ الآية

پھر کیا چودھویں صدی موسوی کے خلیفہ کے مقابل پر چودھویں صدی ہجری پر ایک خلیفہ کا آنا ضروری تھا یا نہیں؟ اگر انصاف کو ہاتھ سے نہ دیا جاوے۔ اور اِس آیت وعدہ کے لفظ کما پر پُورا غور کر لیا جاوے تو صاف اقرار کرنا پڑیگا کہ موسوی خلفاء کے مقابل پر چودھویں صدی کا خلیفہ خاتم الخلفاء ہوگا۔ اور وہ **مسیح موعود** ہوگا۔

اب غور کرو کہ عقل اور نقل میں تناقض کہاں ہُوا؟ عقل نے ضرورت بتائی نقل صحیح بھی بتاتی ہے کہ اس وقت ایک مامُور کی ضرورت ہے۔ اور وہ خاتم الخلفاء ہوگا۔ اس کا نام **مسیح موعود** ہونا چاہیئے۔

پھر ایک مُدّعی موجود ہے۔ وہ بھی یہی کہتا ہے کہ مَیں **مسیح موعود** ہوں اس کے دعوے کو راستبازوں کے معیار پر پرکھ لو۔ مَیں اب ایک اور آسان

ترین بات پیش کرتا ہُوں جو عقل اور نقل کی رُو سے اس امام کی تصدیق کرتی ہے
قرآن شریف میں چاند اور سُورج کی سنت کے متعلق فرمایا ہے۔ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ
لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابِ۔ سُورج اور چاند کے نظام اور قانون پر نظر
کرکے بہت سے حساب سمجھ سکتے ہو۔ جنتریاں بنا سکتے ہو۔ جیسے دو اور دو چار
ایک یقینی بات ہے۔ اسی طرح پر یہ نظام بھی حق ہے۔ اب اگر کوئی شخص میرزا صاحب
کے دعوے کے متعلق پہلے دعوے کے وقت نقل صحیح سے کام لیتا۔ تو یہ عقدہ
کیسی آسانی سے حل ہو جاتا تھا۔ تیرہ سو برس پیشتر کہا گیا تھا کہ اس مہدی کے
وقت رمضان میں کسوف اور خسوف ہوگا۔ اور اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ بُت پرست
قوم بھی سال سے پہلے جنتری لکھ دیتی ہے۔ مسلمانوں کو غیرت کرنی چاہئے تھی
اور معلوم کرنا چاہئے تھا کہ کس سال میں اجتماع ممکن ہے؟ ہندو جاہل جب پتری
بنا کر کسوف خسوف کے پتے دیتا ہے تو ایک مسلمان کو جس کی کتاب میں:۔ لتعلموا
عدد السنین والحساب لکھا ہے۔ سوچنا چاہئے تھا کہ وہ وقت کب ہوگا۔
اور جب اسے وقت کا پتہ ملتا تو وہ تلاش کرتا کہ مدعی ہے یا نہیں؟ اگر وہ مدعی کو
پا لیتا تو سوچ لیتا کہ آسمان کی بات میرے یا کسی کے تعلق میں نہیں ہے۔ نقل
میں موجود ہے۔ کہ اس کے وقت کسوف خسوف ہوگا۔ اور عقل بتاتی ہے کہ یہ
اجتماع کسوف خسوف کا فلاں وقت ہوگا۔ اور وہ وقت آگیا ہے۔ اور مدعی
موجود ہے۔ جب ان امور پر غور کرتا تو بات بالکل صاف تھی۔ اور وہ مان سکتا
تھا۔ اور بڑی سہل راہ سے سمجھ سکتا تھا۔ اگر اتنی عقل اور سمجھ نہ تھی تو دعوے
کے وقت ہی حدیث کو دیکھ لیتا اور سُن لیتا اور سوچتا کہ یہ حدیث کیسی ہے اور

پھر کسی ہندو سے دریافت کرتا کہ یہ موقع کب ہوگا۔ اور جب وہ اِسے بتاتا کہ فلاں سنہ میں ہوگا۔ اور پھر سب وقوع میں آتا تو تسلیم کر کے اپنے تزکیہ کے لئے چلا آتا غرض یہ کیسی صاف اور روشن بات تھی۔ لیکن اگر آسمان کی طرف نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اور اس کی نگاہ اِتنی اُونچی نہ تھی تو زمین میں ہی دیکھتا کہ اس کے لئے کیا نشان ہیں؟ اور اس امر پر غور کرتا کہ قرآن تو اس لئے آیا ہے۔ لیحکم بین الناس فی ما اختلفوا فیہ۔ اب اس دعوے کے موافق اس وقت کوئی اختلاف ہے یا نہیں؟ اور پھر قرآن شریف اس اختلاف کے مٹانے کے لئے بس ہے یا نہیں پہلی بات پر نظر کر کے صاف معلوم ہوتا کہ اختلاف کثرت سے پھیلا ہُوا ہے۔ سب سے پہلا اختلاف تو ہمیں اپنے ہی اندر نظر آتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض صداقتیں ہمارے اندر ہیں۔ جن کو ہم ایمانیات یا عقائد کہتے ہیں۔ اور پھر کچھ اعمال ہیں جو یا نیک ہوتے ہیں یا بد۔ اب مطالعہ کرتے کہ کیا وہ اعمال ان مسلّمہ نیکیوں اور صداقتوں کے موافق ہیں یا مخالف ہیں؟ اگر اس کی مانی ہُوئی نیکیاں اَور ہیں اور نیک اعمال فی نفسہ اَور ہیں۔ تو اس کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوتی کہ یہ پہلا اختلاف مِٹنا چاہیئے۔

پھر اس اختلاف کے بعد اگر اور بلند نظری سے کام لے تو اس کو بہت بڑا اختلاف ان لوگوں میں نظر آئیگا جو بخیال خویش و بزعم خود اکابر ان ملّۃ اور علماء اُمت بنے ہُوئے ہیں۔ ان کے باہمی اختلاف کو چھوڑ کر اگر خود ان کی حالت پر نظر کی جاوے۔ تو ان کے قول اور فعل میں بُعد عظیم پایا جائیگا۔ اسی کو زیر نظر رکھ کر ایک پارسی شاعر نے کہا ہے ؎

شعر

مُشکلے دارم زدانشمند مجلس باز پُرس
توبہ فرمایاں چرا خُود توبہ کمتر مے کُنند

یہ واعظ یہ معلم الخیر ہونے کے مُدعی صُوفی اور سجادہ نشین چرا خُود توبہ کمتر میکنند کے مصداق ہیں - یہاں تک تو وُہ شاعر عقل و دانش کی حد کے اندر رہے - اس سے اَور آگے چل کر کہا ہے - شعر

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر مے کُنند
چُوں بخلوت مے روند آں کارِ دیگر مے کُنند

یہ گواہی جو اِس پارسی بان شاعر نے دی ہے - کوئی مخفی شہادت نہیں بلکہ واعظوں صوفیوں - سجادہ نشینوں تک پہنچی ہوئی ہے - کیونکہ ان کی مجلس وعظ یا مجلس وجد وحال و قال کے لئے اِس کے شعر ضروری ہیں - اور ہر ایک مُسلمان جو کبھی کبھی اپنی مُشکلات اور مصائب میں پھنسکر بیقرار ہوتا ہے تو بد قسمتی سے اسی لسان الغیب کا فال لینے کی طرف توجہ کرتا ہے - اور یُوں اپنے اُوپر اس دورنگی اور اختلاف کا جو واعظوں اور معلم الخیر کے مدعیوں میں ہے ایک گواہ ٹھیرتا اور اپنے اُوپر حجتِ لازمہ قائم کرتا ہے - اب ان ساری باتوں کو یکجائی نظر سے دیکھو اور غور کرو کہ کیا یہ علمی اور عملی یا ایمانی اور عملی اختلاف کسی تامل اور تسر کے ذریعہ مٹ سکتا ہے یا خُود بخود؟ اور قرآن شریف جو اختلاف مٹانے کا مُدعی ہے - اور سچا مُدعی ہے اس نے کیا راہ بتائی ہے؟

مَیں بڑے درد دِل سے اُن مباحث اور لیکچروں کو پڑھا کرتا ہُوں جو اسی مَاہ

میں مسلمانوں کے تنزّل کے اسباب پرودئے جاتے ہیں۔ اسباب تنزل اور اسباب ترقی کے بیان کرنے میں ہمارے ریفارمر (خود ساختہ) اور مصلح قرآن شریف کو مس نہیں کرتے۔ اور تفرقہ کے دُور کرنے کے لئے قرآن شریف میں علاج نہیں ڈھونڈھتے۔

مَیں نے ان لیکچروں اور سپیچوں کو پڑھ کر دردِ دل کے ساتھ یہی کہا ہے۔

یَارَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝

غرض مَیں اِس عظیم الشان اختلاف کو ابھی پیش کرتا ہُوں اور پُوچھتا ہُوں کہ یہ کیونکر دُور ہو سکتا ہے؟ دیکھو ایک چیز ہے جس کا نام ایمان ہے۔ اور ایک کا نام عمل۔ اِن دونوں کا باہم مقابلہ کرو۔ اور سوچکر بتاؤ کہ کیا اِن میں موافقت ہے؟ کیا حال اور قال یکساں ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر کیوں صاف دِلی کے ساتھ یہ اقرار نہیں کیا جاتا کہ

ایک مُزکّی کی ضرورت ہے

جو اِنسان کو اِس نفاق سے جو اُس کے اندر اِیمان اور عمل کی عدم مُوافقت سے پیدا ہو رہا ہے۔ دُور کرے۔ اگر نرا علم کوئی چیز ہوتا۔ معرفت صحیحہ کی کوئی ضرورت نہ ہوتی؟ اگر اس قُوّۃ اور کشش کی حاجت نہ ہوتی جو اِنسان پر اپنا عمل کر کے اِس کے دِل کو صاف کرنے میں معاون اور مددگار ٹھیرتی ہے۔ جو مُزکّی کی تاثیرِ صُحبت اور پاک انفاس کی برکت سے ملتی ہے۔ جس کی طرف کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کہہ کر مولےٰ کریم نے توجّہ دِلائی ہے۔ تو مَیں پُوچھتا ہُوں کہ پھر اُسی پارسی لسان الغیب کو کیا حاجت اور ضرورت تھی جو وہ بول اُٹھا۔ کہ مشکلے دارم زدانشمند مجلس

باز پرس *

اِس ایمانی اور عملی اختلاف کے ماورا اَور اختلاف ہے جس نے قوم کے شیرازہ
کو پراگندہ اور مُنتشر کردیا ہے۔ اور وہ رُوح قوم میں نہ رہی جو

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا

میں رکھی گئی تھی۔ یعنے مُختلف فرقے۔ شیعہ۔ سُنّی۔ خوارج۔ مُقلّد۔ غیر مُقلّد۔ جبریہ
قدریہ۔ وغیرہ کے بکھیڑوں اور قضیوں پر نگاہ کرو۔ تو عظیم الشّان تفرقہ نظر آئیگا۔
مَیں نے اکثر لوگوں سے پُوچھا ہے کہ یہ فرقہ بندیاں کیوں ہیں؟ اکثروں نے کہا
ہے کہ سب فرقے قرآن ہی سے استدلال کرتے ہَیں۔ مَیں نے نہایت تعجب اور
افسوس کے ساتھ اِس قسم کی دلیری اور جرأت کو دیکھا ہے اور سُنا ہے۔ قرآن شریف
تو اختلاف مِٹانے کو آیا ہے۔ اور یہی اس کا دعوٰے ہے جو بالکل سچّا ہے پھر
یہ اختلاف اس کے ذریعہ کیسے ہو سکتا ہے؟

میرے اِس سوال کا جواب کِسی نے نہیں دیا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کیا
مَعَاذَ اللهِ قرآن شریف موم کی ناک ہے کہ جدھر چاہے پھیر دی یا وہ اپنے اس
دعوے میں معاذ اللہ سچّا نہیں۔ جو اس نے اختلاف مٹانے کا کیا ہے؟ پھر
یہ ایمان کیوں رکھتے ہو *

میری سُنو! قرآن شریف آیات محکمات ہے وہ لاریب اختلاف مٹانے
کے لئے حَکَم ہے۔ مگر اس پر مسلمانوں نے توجّہ نہیں کی اور اس کو چھوڑ دیا۔
وہ اپنی نزاعوں کو قرآن شریف کے سامنے عرض نہیں کرتے *

مجھے ایک بار لاہور کے شیعوں کے محلّہ میں وعظ کرنے کا اِتّفاق ہُوا۔ مَیں نے

کہا کہ شیعوں سُنّیوں کے اختلاف کا قرآن سے فیصلہ ہو سکتا تھا۔ اگر یہ توجہ کرتے
ایک شخص نے کہا کہ وہ قرآن سے ہی استدلال کرتے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ یہ
قرآن موجُود ہے۔ آپ ہی بتا دیں کہ کہاں سے استدلال کیا ہے ؂

غرض قرآن کو ہرگز حَکَم اور فیصلہ کُن نہیں مانتے۔ اگر اسپر ایمان ہوتا تو بڑی
صفائی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی کہ سچی توجّہ کے لئے ایک کامل الایمان مُزکّی اور
مطہر کی ضرورت ہے۔ جو اپنی قدسی قوّت کے اثر سے دلوں کے زنگ کو دُور کرے
بدُون مُزکّی کے یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کوئی اَیسی بات نہیں کہ سمجھ میں
نہ آسکے۔ بلکہ وسیع نظارۂ قدرت میں اِس کے نظائر موجُود ہیں ؂

دیکھو ایک درخت کی ٹہنی جب تک درخت کے ساتھ پیوند رکھتی ہے وہ سرسبز
ہوتی ہے۔ حالانکہ اس کو جو پانی کی غذائیت ملتی ہے۔ وہ بہت ہی کم ہوتی ہے
اب اگر اس کو دیکھ کر ایک نادان اس کو کاٹ کر پانی کے ایک گڑھے میں ڈال
دے کہ لے تو اب جس قدر پانی چاہے جذب کر اور اپنے دِل میں خوش ہو کہ
یہ بہت جلد بارآور ہو جائیگی تو اس کی حماقت اور نادانی میں کیا شک رہ جائیگا
جب وہ ڈالی بہت جلد خشک ہو کر سڑگل جائیگی۔ اور اس کو بتا دیگی کہ مَیں سرسبز
نہیں رہ سکتی اس درخت سے الگ ہو کر ؂

اسی طرح یہ نظارہ قدرت عام اور وسیع ہے۔ اس سے صاف سبق ملتا ہے کہ
ایک مُزکّی کی ضرورت ہے جس کے ساتھ پیوند لگا کر انسان اپنے تزکیہ کا حصّہ
لے سکتا ہے۔ ورنہ مُزکّی سے الگ رہ کر کوئی یہ دعوےٰ کرے کہ وہ اپنی اصلاح
اور تزکیہ کر لیگا۔ یہ غلط ہے اور محض غلط ہے۔ بلکہ ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

اور وہی مُشکلے دارم کا سچا مسئلہ ؁

اندرُونی اختلاف اور تفرقہ اگر کچھ ایسا نہ تھا کہ اس کے دِل پر اثر انداز ہو سکتا اور اس کو صرف جُزئی اختلاف قرار دیتا تھا تو پھر ضرور تھا کہ غیر قوموں کے اعتراضوں ہی کو دیکھتا جو اسلام پر کئے جاتے ہیں۔ اور دیکھتا کہ وُہ کونسا ذریعہ ہے جو اسلام کے نابُود کرنے اور اسپر اعتراض کر کے اس کو مشکوک بنانے میں غیر قوموں نے چھوڑ رکھا ہے۔ ذرا عیسائیوں ہی کو دیکھو کہ کس کس رنگ میں اِسلام پر حملہ ہے۔ شفاخانوں کے ذریعہ۔ اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ ہفتہ وار۔ روزانہ اور ماہواری ٹریکٹوں اور اشتہاروں کے ساتھ فقیروں اور جوگیوں کے لباس میں۔ مدرسوں اور کالجوں کے رنگ میں تاریخ اور فلسفہ کی شکل میں۔ غرض کوئی پہلُو نہیں جس سے اسلام پر حملہ نہ کیا جاتا ہو ؁

اللہ تعالےٰ کی ذات پر وہ حملہ کہ بپتسمہ دیتے وقت کہا جاتا ہے۔ واحد لاشریک باپ۔ واحد لاشریک بیٹا۔ واحد لاشریک رُوح القُدس۔ تین واحد لاشریک کہو بلکہ ایک واحد لاشریک ؁

باپ قادرِ مُطلق۔ بیٹا قادرِ مطلق۔ روح القدس قادرِ مطلق۔ تین قادرِ مطلق نہ کہو۔ بلکہ ایک قادرِ مطلق ؁

باپ ازلی۔ بیٹا ازلی۔ رُوح القدس ازلی۔ تینوں ازلی نہ کہو بلکہ ایک ازلی ؁

اب غور تو کرو۔ کہ یہ توحید پاک پر کیسا خوفناک اور بیباک حملہ ہے۔ یہ کیا اندھیر ہے اسی طرح اس کے اسماء۔ افعال اور صفات پر مختلف پیرایوں اور صُورتوں میں

حملہ کیا جاتا ہے۔ اور غرض اسلام کو نابود کرنا ہے ؛

اب اِس اختلاف کو کون دُور کرے۔ اور کون اِس مرض کا مداوا کرے ؟ وُہی جو مُزکی ہو ؛

مجھے نہایت ہی افسوس اور درد دل کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عیسائیت کے اِس پُر آشوب فِتنہ کو فرو کرنے کے بجائے مُسلمانوں نے مدد دی ہے اور اِس آگ پر پانی ڈال دینے کا کام کیا ہے۔ جب اپنے عقائد میں ان امور کو داخل کر لیا جو عیسائیت کی تقویت کا مُوجب اور باعث ہُوئے ہیں ؛

یہ فیصلہ بالکل آسان اور صاف تھا۔ اگر ذرا تدبّر اور غور سے کام لیا جاتا۔ گر رونا تو اسی بات کا ہے کہ عقل سے کوئی کام نہیں لیا جاتا۔ خُدا تعالےٰ کی مخلوق میں غور نہیں کیا جاتا ؛

یہ کیسی صاف بات ہے کہ اللہ تعالےٰ کی مخلوق اور اِنسانی مخلُوق کبھی برابر نہیں ہو سکتی۔ یہ قاعدہ کُلیہ ہے کہ جو کچھ اِنسان بناتا ہے خُدا وہ کبھی نہیں بناتا۔ اور جو اللہ تعالےٰ بناتا ہے اِنسان وہ ہرگز نہیں بنا سکتا۔ مثلاً ایک تنکا ہی لو۔ ساری دُنیا کے صناع اور فلاسفر مل جاویں۔ اور کوشش کریں۔ ساری عمر جدوجہد کریں۔ کبھی ممکن ہی نہیں کہ ایک تنکا بنا سکیں۔ گھاس کا تنکا یا دانہ کا ذرہ نہیں بنتا پھر یہ خیال کر لینا اور مان لینا کہ مسیح بھی خُدا تعالےٰ جیسی مخلوق بنا سکتا تھا۔ کیسی بیہُودگی ہے ؛ دیکھو غلّہ خُدا تعالےٰ کی مخلوق ہے۔ غلّہ اِنسان نہیں بنا سکتا۔ اِنسان اپنی صنعت سے روٹی بناتا ہے۔ خُدا تعالےٰ کی غیرت کبھی پسند نہیں کرتی کہ درختوں سے روٹیاں نکلیں۔ کپڑے خُدا تعالےٰ نے نہیں بنائے۔ اِسی طرح

روئی اِنسان نہیں بنا سکتا +

اِس سے کیمیاگروں کی حماقت اور فریب کا ایک ثبوت مِلتا ہے۔ اور کس طرح واضح طور پر ان کی تکذیب ہوتی ہے۔ سونا چاندی اور چاندی سونا نہیں ہو سکتا۔ خُدا تعالیٰ کی یہ صفت ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ

کیا کوئی ہاتھی کے بچہ کو چُوہا کہہ سکتا ہے ؟ اور کیا ہو سکتا ہے کہ مکھی کے انڈے سے گھوڑا نکل آوے ؟ اِن اُمور کا سمجھنا آسان نہیں۔ گو یہ بدیہی باتیں ہیں مگر ایک مُزکّی جب تک موجُود نہ ہو وہ اِنسان کو اِس قِسم کے شرک سے نجات نہیں دیسکتا +

ایک وقت آئیگا کہ لوگ کہیں گے کہ کیا وفاتِ مسیح کا مسئلہ بھی کوئی اہم مسئلہ تھا۔ لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی اہمیت کس قدر ہے ؟ ایک دُنیا کو اس نے تباہ کر دیا ہے۔ اور رب العالمین کے عرش پر ایک عاجز ناتواں اِنسان کو بٹھایا گیا ہے +

غرض اللہ تعالےٰ کے اسماء صفات اور افعال کے متعلق سچا علم بخشنا اُس شخص کا کام ہوتا ہے جو آیات اللہ کی تلاوت کرے۔ اور اپنی قُدسی تاثیر سے تزکیہ کرے۔ اور سچی توحید پر قائم کرے۔ جب تک مُزکّی نہ ہو۔ یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ اِس جہان کا پیدا کرنے والا رب العالمین ایک ہے اور اُس کا کوئی بیٹا نہیں جِس کے بغیر نجاتِ عالم ہی نہ ہو سکتی ہو۔ جیسا کہ عیسائیوں نے مان رکھا ہے تعجب ہے کہ وہ خلقِ عالم تو اللہ تعالےٰ کی صفت مانتے ہیں۔ پھر اس مخلوقِ عالم کو کیا مُشکل تھا۔ کہ نجات بھی دیدیتا ؟ اِس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چُونکہ عادل ہے اِس لئے مخلوق کے گُناہوں کو بہ حیثیت عادل ہونے کے بغیر سزا کے نہ چھوڑ

سکتا تھا۔ اور رحیم بھی ہے اس لئے بیٹے کو پھانسی دیا۔" یہ کیا خوب عدل اور رحم ہے۔ کہ گنہگاروں کے بدلے ایک بیگناہ کو پکڑ لیا۔ اور بیگناہ پر رحم بھی نہ کیا۔

پھر اور بھی ایک تعجب ہے کہ یہودیوں کو نجات نہ ملی۔ حالانکہ پہلے نجات کے وُہی مستحق تھے۔ جنہوں نے نجات کے فعل کی تکمیل کی کوشش کی یعنی صلیب دلوانے کی۔ ان کا فعل تو گویا عیسائیوں کے اعتقاد کے موافق خُدا کے ارادہ اور منشاء سے توارد رکھتا تھا۔ پھر وہ غضب کے نیچے کیوں رہے؟ پھر ہم پُوچھتے ہیں کہ کیا مُسلمانوں کو نجات ملی کیا مجُوسیوں کو ملی۔ کس کو ملی؟

نجات تو پھر بھی محدُود ہی رہی۔ کیا فائدہ اس پھانسی سے پہنچا؟

اور پھر شیطان کا سر جب کچلا گیا۔ تو اب کیوں گناہ ہوتا ہے۔ پھر پُوچھا گیا ہے۔ کہ گناہ کا بد اثر جسم پر ہوتا ہے یا رُوح پر۔ اگر رُوح پر ہوتا ہے تو آدم سے کہا گیا کہ محنت سے روٹی کھائیگا۔ اور عورت دردزہ سے بچہ جنے گی۔

اور اگر جسم پر پڑتا ہے تو عیسائی آتشک اور سوزاک وغیرہ امراض میں کیوں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور کیا عیسائی عورتیں دردزہ سے بچہ جنتی ہیں۔ اس سے تو معلوم ہُوا کہ نجات کے آثار پائے نہیں جاتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ مزکی کے بغیر اصلاح نہیں ہو سکتی۔ ان خیالی باتوں سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اس کفارہ کا نتیجہ تو یہ ہُوا کہ دُنیا میں فسق و فجور اور اباحت پھیل گئی۔ اور خُدا کا خوف اُٹھ گیا۔ اب جس مزکی کی ضرورت ہے وُہ ایسی خاصیت اور قوت کا ہونا چاہیئے۔ جو اس فتنہ کو دُور کرے۔

اور اب غور کر کے دیکھ لو کہ یہ مزکی اپنے اس مقصد میں کامیاب ہُوا ہے یا نہیں ایک ایک اصل جو اس نے پیش کی ہے۔ اس کے ذریعہ مذاہب باطلہ کو اس نے ہلاک کر دیا ہے۔

ایک عیسائی نے مجھ سے پوچھا کہ اس نے آکر کیا کیا ہے۔ میں نے کہا کہ تم کو لاجواب کر دیا ہے ۔

امرتسر میں پندرہ روز تک مباحثہ ہوا۔ اگر رحیم کریم نہ ہوتا۔ تو ایک ہی منٹ میں ختم کر دیتا ایک ہی اصل اس نے پیش کی تھی جس کا جواب عیسائی اور دُوسری قومیں ہرگز ہرگز نہیں دیسکتیں۔ اور قیامت تک نہ دیسکیں گی۔ پھر وہ اصل نہیں ہے کہ اسے یُونہی رد کر دیا جاوے۔ بلکہ ہر سلیم الفطرت دانشمند انسان کو ماننا پڑیگا کہ بڑی پکی اصل ہے۔ اور وہ اصل یہ ہے کہ ہر مذہب کی الہامی کتاب کا یہ خاصہ ہونا چاہیئے کہ جو دعوےٰ وہ کرے اُس کی دلیل بھی اُسی میں ہو۔ یعنی دعویٰ بھی وُہی کرے اور دلیل بھی وُہی دے مثلاً عیسائی کہتے ہیں کہ یسُوع خُدا ہے تو چاہیئے کہ انجیل میں پہلے وُہ یہ دعویٰ دکھائیں کہ یسُوع خُدا ہے۔ پھر اس کے دلائل دیں۔ مگر یہ اصل انجیل میں کہاں؟ عیسائی مجبور ہو گئے۔ اور ان کو اس حصہ کو چھوڑنا پڑا۔ اِس راہ پر وہ ایک منٹ بھی چل نہ سکتے تھے۔ مباحثہ کی رُوئداد موجود ہے جو چاہے دیکھ لے ۔

میں تو اُسی وقت جب اُس کے مُنہ سے یہ لفظ نکلا تھا۔ سمجھ گیا اور مان چُکا تھا کہ یہ کسرِ صلیب میں کامیاب ہو گیا۔ اِس اصل سے اُس نے قرآن شریف کی وہ عزت اور عظمت ظاہر کی کہ میرا ایمان ہے تیرہ سو برس کے اندر کسی نے نہیں کی۔ اِس نے کُل مباحثہ میں اپنے اس طرز اور اصل کو نہیں چھوڑا۔ جو دعوےٰ بیان کرتا قرآن شریف سے اور جو دلیل بیان کرتا۔ وُہ بھی کتاب اللہ سے دیتا ۔

اور پندرہ دِن تک برابر اسی کا اِلتزام رکھا۔ اب بتاؤ کہ یہ طرزِ بیان مُزکّی کے سوا ہو سکتا ہے۔ میں نے بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ اور میں یقیناً کہتا ہوں کہ جس قدر تم اس

وقت موجود ہو تم سب سے زیادہ میں کتابیں پڑھ چکا ہوں۔ اور کتاب میری ہر وقت کی رفیق ہے۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ اس طرز پر مباحثہ کی بنیاد کوئی نہیں ڈال سکا۔ اور ایسی طرز کہ مخالف پہلا ہی قدم نہیں اُٹھا سکتا۔ جو چاہے آزما کر دیکھ لے۔ میں نے تو آج بھی اِس اصل سے فائدہ اُٹھایا۔ ایک شخص نے اعتراض کیا۔ میں نے اُسے بھی کہا کہ اِس اصل کو مدّنظر رکھو۔

مجھ پر اعتراض کیا گیا کہ روزہ کیوں رکھا جاتا ہے؟ اور پھر رمضان ہی میں کیوں رکھا جاتا ہے؟ میں نے اُس کو اوّلاً یہی جواب دیا کہ تم بتاؤ تمہاری کس کتاب نے منع کیا ہے کہ روزہ نہ رکھو۔ اور پھر اِس منع کے دلائل کیا دئیے ہیں۔ میں تو بتاؤں گا کہ روزہ کیوں رکھنا چاہیئے۔ اور رمضان میں کیوں فرض کیا گیا۔ اُسے کچھ جواب بن نہ پڑا۔ میں نے اِس مضبوط اور محکم اصل کو لیکر کہا کہ دیکھو ہماری کتاب قرآن شریف روزہ کا حکم دیتی ہے۔ تو اِس کی وجہ بھی بتاتی ہے کہ کیوں روزہ رکھنا چاہیئے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ؕ روزہ رکھنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم دکھوں سے بچ جاؤ گے اور سکھ پاؤ گے۔ رمضان ہی میں کیوں رکھیں؟ اس کی وجہ بتائی شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ چونکہ اس میں قرآن نازل ہوا یہ برکاتِ الٰہیہ کے نزول کا موجب ہے۔ اسلئے وہ اصل غرض جو لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ میں ہے حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح پر جس امر کو لو۔ یا جس نہی کو لو۔ قرآن نے اِس کے اسباب اور نتائج کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اور نہ صرف بیان کیا ہے بلکہ اُن کے نتائج سے بہرہ مند کر کے دُنیا کو دکھا دیا ہے۔ آخرت کے وعدے تو آخرت میں پُورے ہونگے اور ضرور ہونگے مگر اِس دُنیا میں اُنسے حصّہ دیا اور ایسا حصّہ دیا کہ اربعہ متناسبہ کے قاعدہ کے موافق وہ آخرت پر بطور دلائل اور حجج کے ٹھیرے۔ جن کو

دیکھ کر اب کوئی آخرت کا انکار نہیں کر سکتا۔ صحابہ ہی تک وُہ فیض اور فضل محدود اور مخصوص تھا۔ اب بھی اگر کوئی قرآن شریف پر عمل کرنیوالا ہو خلوص سے اللہ تعالےٰ کی طرف آوے وہ ان انعامات اور فضلوں سے حصّہ لیتا ہے اور ضرور لیتا ہے۔ اس وقت بھی لیتا ہے۔ دیکھو ہمارا **امام** ان وعدوں اور فضلوں کا کیسا سچّا نمونہ اور گواہ موجود ہے۔

غرض سب کچھ قرآن میں ہے مگر مُزکّی کے بغیر مُعلّم کے بغیر وُہ تزکیہ اور تعلیم نہیں ہوتی۔ مُزکّی اپنی کشش اور اثر سے تزکیہ کرتا ہے۔ اور ان انعامات کا مورد بنانے میں اپنی دُعا۔ عقدِ ہمّت۔ توجّہ تام سے کام لیتا ہے۔ جو دُوسرے میں نہیں ہوتی ہے۔

ایک بھائی نے مجھ سے پُوچھا کہ **وفات مسیح** پر اس قدر زور کیوں دیا جاتا ہے۔ ثابت ہوگیا کہ وہ مرگیا۔ اب اِس کی کیا ضرورت ہے کہ بار بار اُسی کا تذکرہ کیا جاوے؟ مَیں نے اِس کو کہا کہ یہی وُہ سرّ ہے جس سے یہ **مسیح موعود** بنایا گیا اور جو **کسرِ صلیب** کا تمغہ لیتا ہے تم اور مَیں اور اَور اِس قابل نہیں ہُوئے۔ یہ ثبوت ہے اُس کے خُدا کی طرف سے ہونے اور اس کے کامیاب ہوجانے کا۔ مَیں سچ کہتا ہُوں اور ایمان سے کہتا ہُوں کہ میری آنکھ نے وُہ دیکھا جو بہت تھوڑوں نے ابھی دیکھا ہوگا۔ مَیں دیکھ چُکا ہُوں کہ کسرِ صلیب ہو چُکی مَیںنے تو اُسی روز اس کا مشاہدہ کر لیا تھا جب اس نے امرتسر کے مباحثہ میں وہ اصل پیش کی جس کا ابھی مَیںنے ذکر کیا ہے اس سے بھی بہت عرصہ پہلے مجھے اس کی خُوشبو آرہی تھی۔ اندر۔ باہر۔ جہاں کہیں ہو کوئی بھی مضمون ہو جس پر یہ بول رہا ہو۔ مَیں دعوے سے کہتا ہُوں کہ خواہ وہ وفاتِ مسیح سے کیتنا ہی غیر متعلق ہو مگر وفات مسیح کا ذکر ضرور ہی کریگا۔ یہ عزم۔ یہ استقلال اور عقدِ ہمّت مامور کے سوا کسی دُوسرے کو نہیں ملتی ہے۔ اور یاد رکھو نہیں ملتی ہے۔ تم

مامور من اللہ کو اس کے عقد ہمت اور توجہ تام سے بھی شناخت کر سکتے ہو۔ بیشک خدا تعالیٰ مُضطر کی دُعا سُنتا ہے۔ جب انسان مضطر ہو تو کیوں نہ سُنے۔ مَیں دیکھتا ہُوں کہ اپنی بیماری۔ یا دُوسرے بیماروں کو دیکھتا ہُوں تو مَیں مضطر ہوتا ہوں اور میرا مولےٰ میری دُعا سُنتا ہے۔ لیکن مَیں دیکھتا ہُوں کہ وہ صورت جاتی رہتی ہے تو پھر وُہ حالت پیدا نہیں ہوتی۔ اِس وقت مَیں اپنے نفس کو کہتا ہُوں۔ کہ تو مُزکی نہیں ہو سکتا۔ اِسوقت مُزکّی وُہی ہو سکتا ہے جو ہر حالت میں مسیح کی وفات کو لے آتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کی کہ مَیں قرآن پڑھایا کرتا ہوں مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ فرمایا قرآن شریف پڑھایا کرتے ہو تو بس یہی کافی ہے کہ انّی متوفّیك کے معنے انّی ممیتیك پڑھاؤ کرو۔ اب غور کرو کہ کس قدر عقدِ ہمت ہے۔ کیسی توجہ ہے۔ ساری نصیحتوں میں اُسے یہی ایک ضروری معلُوم ہُوئی ہے۔ مجھ سے اگر وُہ شخص پُوچھتا تو شائد سینکڑوں نصیحتیں کرتا اور وہ بظاہر ضروری بھی ہوتیں مگر یہ نہ کرتا تو یہی نہ کرتا اور یہی سب سے اہم ہے۔ یا کسی اَور سے وُہ پُوچھتا تو وہ اپنی جگہ سوچ لے کہ کیا وُہ یہی نصیحت کرتا جو اِس مُزکّی نے کی؟ مَیں دعوٰی سے کہتا ہُوں کہ ہرگز نہ کرتا۔ یہ اسی کا کام ہے دُوسرے کا ہو ہی نہیں سکتا۔ اور یہی تو بتاتا ہے کہ یہ کسرِ صلیب کے لئے آیا ہے ؂

یہ یقین رکھو کہ جب تک خُدا تعالےٰ کے فضل کے جذب کرنے کے لئے اضطراب اور سچّا اضطرار نہ ہو کچھ نہیں بنتا۔ مسیح کی مَوت معمُولی بات نہیں یہ وہ مَوت ہے جو عیسوی دین کی موت کا باعث ہے ؂

اِس قوم کو اگر کوئی جیت سکتا ہے تو اُس کے لئے یہی ایک گُر ہے۔ اب غور کر کے دیکھ لو کہ اِس کے لئے اِس نے کس قدر دُعائیں کی ہونگی۔ دِل میں کس قدر جوش اُٹھتے

ہونگے۔ ہم تو ان کو سمجھ بھی نہیں سکتے۔ کہ ایک آدمی مرگیا بس مرگیا بات کیا ہے مراہی کرتے ہیں۔ مگر نہیں اس کے حل سے سب کچھ حل ہے۔ یہ فہم جو اسے دیا گیا ہے یہ فہم ماموراللہ کے سوا دُوسرے کو نہیں ملتا۔ یہ اضطراب اور جوش دوسرے کا حصّہ نہیں ہو سکتا اگر کوئی دعوٰی کرے تو خیال باطل اور وہم مُحال ہے ؀

پھر اختلاف اندرُونی اور بیرُونی پر نظر کرو کہ کیا حالت ہو رہی ہے۔ ایک کہتا ہے بائیبل میں یہ ہے دُوسرا کہتا ہے قرآن میں یہ ہے۔ حضرت صاحب مثال دیا کرتے ہیں کہ انہوں نے مداری کے تھیلے کی سی بات کر رکھی ہے جیسے وہ چاہتا ہے اُس میں سے نکالتا ہے ویسے ہی یہ بھی جو روایت اپنے مطلب کی چاہتے ہیں نکال کر پیش کر دیتے ہیں اور یہ اختلاف اس شدت سے پھیلا ہُوا ہے کہ اس کا بیان کرنا بھی آسان نہیں۔ صداقت اس طرح چھُپ جاتی ہے جب تک ماموراللہ خُدا تعالےٰ سے لطیف فہم لیکر نہیں آتا۔ صداقت بیج کی طرح رہتی ہے۔ جیسے جب بارش آسمان سے آتی ہے۔ تو خواہ ساری دُنیا زور لگائے کہ بیج نشوونما نہ پائے وُہ اُگنے سے نہیں رہتا۔ اسی طرح پر جب ماموراللہ آتا ہے تو خواہ کوئی کچھ ہی کرے وہ صداقت کو ضرور ہی نکال لیتا ہے۔ اسکی پہچان یہی ہوتی ہے کہ جو کام وہ کرتا ہے عقل صحیح اور نقل صریح او تائیدات سماوی اسکی تصدیق کرتے ہیں؀

اسوقت آزادی کی راہیں کھُلی ہوئی ہیں۔ اسلام پر وُہ اعتراض کئے جاتے ہیں کہ پہلے کسی نے کبھی سُنے بھی نہ تھے۔ مَینے بعض لوگوں سے سُنا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ پہلے بھی اعتراض کرتے تھے۔ مَیں کہتا ہوں یہ بالکل غلط اور جھُوٹ بات ہے پہلے کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا۔ اسلامی سلطنت کی سطوت و جبروت کے مقابلہ میں کون اعتراض کرسکتا تھا۔ یہ سب کچھ اسی صدی کا کرشمہ ہے اور اسی انڈیا میں اسکو ترقی ہے۔ جو

چاہے کوئی کہہ دے۔ اخبارات ورسالجات میں زور وشور سے مخالفت کی جاتی اور اعتراض کئے جاتے ہیں۔ کوئی نہیں روکتا ؎

فسق و فجور نے یہاں تک ترقی کی ہے کہ شراب جسے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جماع الاثم کہا ہے اسی پر قیاس کر لو کہ کیا حالت ہے۔ لنڈن ایک شہر میں یہ حالت ہے کہ صرف شراب فروشوں کی دوکانوں کو اگر ایک لائن میں رکھا جاوے تو پچھتر میل سے زیادہ تک جاتی ہیں۔ اور کل کارخانے اتوار کو بند رہیں مگر شراب کی دوکانیں اتوار کو بھی کھلنی ضروری ہیں۔ اس سے اندازہ اور قیاس کر لو دوسری حالتوں کا ؎

عورتوں کی بابت آیا ہے کہ وہ حبایل الشیطان ہیں یعنی عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں حقیقت میں جس قدر ابتلا ان عورتوں کے ذریعہ سے آتے ہیں اور جس طرح شیطان ان رسیوں کے ذریعہ سے اپنا کام کرتا ہے وہ کوئی ایسی بات نہیں کہ کسی سے پوشیدہ ہو مشنری عورتوں اور مشنریوں سے جو خرابیاں اکثر اوقات پیدا ہوتی ہیں۔ اور آئے دن اس قسم کی خبریں سُننے میں آتی ہیں کہ فلاں گھر میں ایک مشنری عورت آتی تھی اور وہاں سے فلاں عورت کو نکال لیگئی۔ اس کا پتہ نہیں وغیرہ۔ پھر اس سے ذرا اور آگے بڑھو ولایت میں جو لوگ پڑھنے کے واسطے جاتے ہیں۔ اور کوئی ان کے حال کا پُرساں اور نگران نہیں ہوتا۔ پھر جو کچھ وہاں وہ کر گذریں تھوڑا ہے۔ مذہب کی رسمی قیود بھی بمبئی تک ہی سمجھی جاتی ہیں۔ اس کے بعد پھر کوئی مذہب نہیں۔ الا ماشاءاللہ۔ ایک عزیز ہندو نے نواب محمد علی خاں صاحب کے مکان پر بیان کیا کہ یہ مت پوچھو کہ ولایت میں کیا کیا کھایا بلکہ یہ پوچھئے کہ کیا نہیں کھایا ؎

غرض حبایل الشیطان کی وہ حالت جماع الاثم کا وہ زور وشور سلطنت کا رُعب

سطوت و جبروت الگ یہاں تک کہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا ہے۔ گو ویسے کچھ اور ہی ظاہر کر دیا گیا ہو کہ مقدمات میں تبدیلی مذہب نجات کا موجب ہو گئی اور مجسٹریٹ نے لکھ دیا کہ عیسائی مذہب کی وجہ سے خلاف گواہی دیگئی یا مقدمہ بنا یا گیا۔

ایک آدمی بجائے خود ذلیل اور کس مپرس ہوتا ہے۔ لیکن مشنریوں کے ہاں جا کر اسے روزگار مل جاتا ہے یا کسی کو ممانعت روزگار ہوئی مشنریوں نے اُسے پادری بنا دیا۔ اِس قسم کے واقعات موجود ہیں۔ یہ خیالی یا فرضی باتیں نہیں ہیں مشنریوں کی بعض رپورٹوں تک سے یہ واقعات کھل جاتے ہیں اگر ان پر زیادہ غور کی جائے۔

یہ تو اُن لوگوں کی آزادی کے اسباب ہیں جنہوں نے مذہب کی پرواہ نہیں کی۔ اسکے علاوہ مصنفوں اور ماسٹروں کا اثر پڑھنے والوں پر اندر ہی اندر ایک مخفی رنگ میں ہوتا چلا جاتا ہے۔ تصنیف کا ایسا خوفناک اثر ہوتا ہے کہ دوسروں کو معلوم بھی نہیں آتا۔ اور شائد پڑھنے والا بھی اسے جلدی محسوس نہ کر سکے۔ مگر آخر کار وہ ایسا متاثر ہوتا ہے کہ خود اُس کو جرأت ہوتی ہے۔ شاہ عبد العزیز صاحب نے بھی اس اثر کے متعلق لکھا ہے۔ اور میں چونکہ بہت کتابوں کے پڑھنے والا ہوں میں نے تجربہ کیا ہے اور علاوہ بریں علم طب کے ذریعہ مجھے اس راز کے سمجھنے میں بہت بڑی مدد ملی ہے۔ میر حسن کی مثنوی پڑھ کر ہزاروں ہزار لڑکے اور لڑکیاں زانی اور بدکار ہو گئی ہیں۔ اور یہ ایسی بین اور ظاہر بات ہے کہ کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ جبکہ تصانیف کا اثر طبائع پر پڑتا ہے۔ اور ضعیف طبیعتیں بہت جلد اس اثر کو قبول کرتی ہیں تو آجکل تصانیف کے ذریعہ جو زہر مشنری گروہ نے پھیلایا ہے اس کے متعلق مجھے کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر رنگ میں فلسفہ۔ تاریخ۔ طب وغیرہ ہر شاخ علم و ہر کتاب

میں مذہب سے منافرت اور آزادی کا سبق پڑھایا جاتا اور اسلام کی پاک تعلیم پر کسی نہ کسی رنگ میں حملہ کیا جاتا ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ تعلیم کا جادو کچھ ایسا کارگر ہوا ہے کہ ہر شخص بلا سوچے سمجھے کہ اس کے بچے کو کس قسم کی تعلیم مفید اور کارآمد ہو سکتی ہے۔ اپنے لڑکوں کو سکول اور کالج میں بھیجتا ہے جہاں حفاظت دین کے اسباب بہم نہیں پہنچائے جاتے۔ وہاں قسم قسم کی فصیح و بلیغ تقریروں والے اور بڑی بڑی لمبی ڈاڑھیوں والے عجیب غریب باتیں سناتے ہیں۔ اور یورپین اقوام کی ترقیوں اور صناعیوں پر لیکچر دیدے کر نوجوانوں کو اس طرف مائل کرتے ہیں یہاں تک سیدھے سادھے نوجوان جو اپنی مذہبی تعلیم سے بالکل کورے اور صاف ہوتے ہیں مذہب کو ایک آزادی کی مانع چیز سمجھنے لگتے ہیں اور انسانی ترقیوں کا مانع اسے قرار دیتے ہیں۔ باتوں ہی باتوں میں سمجھا دئے جاتے ہیں۔ کہ اگر وہ اعتراض علماء کے سامنے کئے جاتے ہیں۔ تو اُن پر کفر کے فتوے جڑے جاتے ہیں *

اِن اعتراضوں کا جو بڑا اثر پڑتا ہے اِس کے متعلق میں ایک قصہ بیان کرتا ہوں مگر یاد رکھو کہ میں قصہ گو نہیں بلکہ دردِ دل کے ساتھ تمہیں اسلام کی حالت دکھانی چاہتا ہوں میری غرض کسی پر نکتہ چینی کرنا نہیں ہے اور نہ ہنسانا مقصود ہے۔ بلکہ اصلیت کا بیان کرنا مدِنظر ہے *

مَیں ایک بار ریل میں سفر کر رہا تھا جس کمرہ میں مَیں بیٹھا ہُوا تھا۔ اُسی کمرہ میں ایک اَور بڈھا شخص بیٹھا ہُوا تھا۔ ایک اَور شخص جو مجھے مولوی صاحب کہکر مخاطب کرنے لگا تو اس دُوسرے شخص کو بہت بُرا معلوم ہُوا۔ اور اُسنے کھڑکی سے سر باہر نکال لیا۔ وہ شخص جو مجھ سے مخاطب تھا اُس کے بعض سوالوں کا جواب جب مَیںنے دیا تو اُس بڈھے نے بھی سر اندر کر لیا

اور بڑے غور سے میری باتوں کو سننے لگا۔ اور وہ باتیں مؤثر معلوم ہوئیں۔ پھر خود ہی اُس نے بیان کیا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ مینے کیوں سر بابر کر لیا تھا؟ مینے کہا کہ نہیں۔ اُسنے بیان کیا کہ مجھے مولویوں کے نام سے بڑی نفرت ہے۔ اس شخص نے جب آپ کو مولوی کرکے پکارا تو مجھے بہت بُرا معلوم ہوا۔ لیکن جب آپکی باتیں سُنیں تو مجھے اُنسے بڑا اثر ہوا۔ مینے پوچھا کہ مولویوں سے تمہیں نفرت ہے؟ اُس نے کہا کہ میں نے لودھیانہ میں ایک مولوی صاحب کا وعظ سُنا اُسنے دریائے نیل کے فضائل میں بیان کیا کہ وہ جبل القمر سے نکلتا ہے اور اس کے متعلق کہا کہ چاند کے پہاڑوں سے آتا ہے۔ میں نے اسپر اعتراض کیا تو مجھے پٹوایا گیا۔ اس وقت مجھے اسلام پر کچھ شکوک پیدا ہوگئے۔ اور میں عیسائی ہوگیا۔ بہت عرصہ تک میں عیسائی رہا۔ پھر ایک دن پادری صاحب نے مجھے کہا کہ ایک نئی تحقیقات ہوئی ہے۔ دریائے نیل کا منبع معلوم ہوگیا ہے اور اُسنے بیان کیا کہ جبل القمر ایک پہاڑ ہے وہاں سے دریائے نیل نکلتا ہے۔ میں اسکو سُنکر رو پڑا۔ اور وہ سارا واقعہ مجھے یاد آگیا۔ ایک عیسائی نے مجھے مسلمان بنا دیا اور ایک مولوی نے مجھے عیسائی کیا۔ اس وجہ سے میں ان لوگوں سے نفرت کرتا تھا مگر آپ اُن میں سے نہیں ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اُس کی یہ کہانی سُنکر میرے دِل پر سخت چوٹ لگی کہ اللہ! مسلمانوں کی یہ حالت ہے۔ غرض اسوقت مسلمانوں کی حالت تو یہاں تک پہنچی ہوئی ہے اور اسپر بھی اُن کو کسی مزکّی کی ضرورت نہیں ٭

غرض یہ حالت اس وقت اسلام کی ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ مزکّی کی ضرورت نہیں۔ قرآن موجود ہے۔ میں پوچھتا ہوں اگر قرآن ہی کی ضرورت تھی تو پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قرآن شریف کے آنے کی کیا حاجت تھی۔ کسی درخت کے ساتھ لٹکا لٹکا یا ملجاتا؟ اور قرآن شریف خود کیوں یہ قید لگاتا یعلمہم الکتٰب و

یزکیہم وغیرہ؟ مَیں سچ کہتا ہُوں کہ مُعلّم کے اور مُزکّی کے بدُون قرآن شریف جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت غیر مفید ہوتا آج بھی غیر مفید ہوتا۔

خدا تعالےٰ نے ہمیشہ سے یہ طریق پسند فرمایا ہے کہ وُہ انبیاء و مُرسلین کے ذریعہ ہدایت بھیجتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہُوا کہ ہدایت تو آجاوے مگر انبیاء و مُرسلین نہ آئے ہوں۔

پس اِس وقت جیسا کہ مَیں بیان کرچکا ہُوں اور مختلف پہلوؤں سے مَیں نے دکھایا ہے ضرورتیں داعی ہو رہی ہیں کہ ایک مُزکّی اور مظہرِ اِنسان جو قرآن کریم کے حقائق و معارف بیان کرکے اِس ہدایت کو لوگوں تک پُہنچاوے جو قرآن شریف میں موجود ہے یہ کام اُس کا ہے کہ وُہ ہدایت کی اشاعت کرے۔

جب یہ ضرورت ثابت ہے تو پھر اِس امر کا پتہ لگانا کچھ بھی مُشکل نہیں ہو سکتا کہ وہ مُزکّی آیا ہے یا نہیں؟ مَیں کہتا ہُوں کہ وُہ مُزکّی آگیا۔ اب اُس کی صداقت جانچنا باقی رہتا ہے۔ اس کے لئے قرآن شریف اور منہاج نبوّت کامل معیار ہے۔ اس سے دیکھ لو اُس کی سچائی خود بخود کھلجا دیگی۔ اور عقلی دلائل۔ نصُوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ اور تائیدات سے اسے شناخت کرلو۔

کسُوف و خسُوف کا کس قدر عظیم الشان نشان موجود تھا مگر دیکھنے والوں میں سے سب نے فائدہ اُٹھایا؟ ہرگز نہیں۔ اِسکے پُورا ہونے سے پہلے تو اسے صحیح قرار دیتے تھے مگر جب وُہ پُورا ہو گیا۔ تو روایت کی صحت میں شبہ کرنا شروع کر دیا۔ حقیقت میں جب اِنسان تعصب اور ضد سے کام لیتا ہے اور ایک بات ماننی نہیں چاہتا تو اس کی بہت سی توجیہیں نکالتا ہے اور اپنے خیال کے مُوافق عذرات تراش لیتا ہے۔ چُونکہ اِنسان کی قوتیں دن بدن آگے بڑھتی ہیں اِسلئے وہ خیالات ترقی کرتے جاتے

ہیں۔ دیکھو مَیں کل جس عمر کا تھا آج اُس سے ایک دن بڑا ہُوں۔ اسیطرح دیکھو تو پچھلے حصّہ زندگانی پر جس قدر غور کرو گے اور جتنا پیچھے جاؤ گے اُسی قدر تمہیں نمایاں فرق نظر آئیگا۔ کہ کمزوری بڑھتی گئی ہے۔ دیکھو پہلے بول نہ سکتا تھا۔ پھر بولنے لگا اور اپنی مادری زبان میں کلام کرنے لگا۔ پھر یہاں تک ترقی کی کہ اُردو بولنے لگا۔ اور پھر پوٗنا فیوٗنا اس میں بھی ترقی کی یہانتک کہ اب اپنی زبان میں مسلسل دو چار فقرے بھی ادا نہیں کر سکتا ایک بار حضرت امام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے پنجابی زبان میں وعظ کرنے کا حکم دیا۔ مَیں دو چار فقروں کے بعد ہی پھر اُردو بولنے لگا ؛

اسی طرح دیکھو کہ ہر صُورت میں اِنسان ترقی کرتا ہے۔ بچپن کے زمانہ میں جو کپڑے کام آتے تھے اور خوبصورت اور ٹھیک موزون تھے۔ آج مَیں اُن کو نہیں پہن سکتا۔ یہی نہیں کہ وُہ میرے بدن پر نہیں آسکیں گے بلکہ بہت ہی بُرے ہونگے ؛

جہانتک غور کرتے جاؤ اِنسان ترقی کرتا جاتا ہے۔ اسی اصول کے مُوافق وہ نیکیوں اور بدیوں میں بھی ترقی کرتا ہے۔ اور رسم و رواج لباس وغیرہ امور میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ مردوں کے پاجامے گلبدن کے ہوتے تھے اور وہ دوہری پگڑیاں پہنا کرتے تھے۔ اور بھدی سی تلواریں ہوتی تھیں اور کچھ بدنما ڈھالیں۔ مگر آج دیکھو کہ وہ طرزِ لباس ہی نہیں رہا۔ اُن تلواروں اور ڈھالوں کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ اِس قسم کی توپیں اور بندوقیں آئے دن ایجاد ہو رہی ہیں کہ دُشمن اپنے ہی مقام پر ہلاک کر دیا جاتا ہے تو اُسے خبر ہوتی ہے ؛

فنوُنِ حرب میں اس قدر ترقی ہُوئی ہے کہ کچھ کہا نہیں جاتا۔ میری غرض اسوقت زمانہ کی ایجادات اور فنوُن کی ترقیوں پر لیکچر دینا نہیں ہے بلکہ مَیں اس اصل کو تمہارے

ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ انسان ترقی کرتا ہے اور وہ جس حالت میں ہو اُس میں رہ نہیں سکتا۔ غرض پھر اس حکومت کے دور دورہ میں جہاں اَور ترقیاں ہوئیں۔ لباس میں بھی ترقی ہونے لگی۔ پھر اُلٹی وضع کی پگڑیوں کے بجائے پگڑیوں کا طور بدلا۔ ٹوپیوں کا رواج شروع ہُوا۔ بال رکھتے تھے یہ سوچا کہ سر دھونے کی تکلیف ہوتی ہے بال چھوٹے کئے جاویں۔ بالوں پر اثر پڑا۔ پھر داڑھیوں کی صفائی شروع ہوئی۔ پھر جوتہ کیطرف دیکھا کہ پُرانی وضع کے جُوتے بھدّے اور بدنما ہیں اسلئے ان میں ترمیم کرنی چاہئے۔ اور اس قِسم کے ہونے چاہئیں جیسا کہ پاؤں کا نمونہ نیچر نے رکھا ہے۔ پس بُوٹ کی طرف توجہ ہوئی اور فرغل چُغہ کی بجائے کوٹ نکلے۔ یہاں تک تو خیر تھی۔ لباس سے آگے اثر شروع ہُوا اور ایک تہ بند گذار کو نماز بھی چھوڑنی پڑی کیونکہ نماز پڑھنے میں ایک قیمتی پوشاک خراب ہوتی ہے۔ وضو کرنے سے کالر اور نکٹائی وغیرہ کا ستیاناس ہوتا ہے اور کفیں خراب ہوجاتی ہیں۔ یہ انسان کی ترقی کی ایک بات ہے اور یہی معنے ہیں میری نظر میں

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کے

موجودہ زمانہ میں بھی اثر ہُوا ہے۔ قوم کی حالت اسی طرح بگڑی ہے۔ بعض کو فلسفہ نے تباہ کر دیا ہے بعض اَور مشکلات اور حالتوں میں مُبتلا ہو کر ہلاک ہوئے۔ میری طبیعت فلسفہ کو پسند کرتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُسنے قرآن جیسا مجھے فلسفہ دیا ہے۔ اور پھر ایک اپنا امام مجھے عطا کیا ہے کہ جس کی قوّت قدسی اور تاثیر صحبت سے یہ فلسفہ مجھے بہت ہی عزیز اور کامل تر فلسفہ ملا۔

مَیں نے دیکھا ہے کہ آجکل کے نوجوان جو انگریزی فلسفہ کی چند کتابیں پڑھتے ہیں۔ تِس پر بجائے خود ڈیسیوں نہیں سینکڑوں اعتراض ہیں۔ بڑے فخر سے مل۔ سپنسر کے

نام لیتے ہیں۔ اور ناز کرتے ہیں کہ پلیٹو نے فلسفہ میں یہ لکھا ہے اور فیثاغورث نے کہا
ہے۔ اِن باتوں نے اِنپر کچھ ایسا اثر کیا ہے کہ اب وہ مذہب پر ہنسی کرتے ہیں اور اس کو
ٹھٹھے میں اُڑاتے ہیں۔ مذہب کی حالت تو یُوں بدتر ہُوئی۔ پھر سوسائٹی کی طرف دیکھو۔
ادنےٰ سے اعلےٰ تک کو مَیں نے دیکھا ہے کہ جب اِن سے کوئی بات پُوچھو تو ان کے نزدیک
گویا حرام ہے کِسی مُسلمان کا نام لینا۔ وہ سوسائٹی کے اصولوں کو بیان کرتے ہُوئے
بڑے خُوش ہوتے ہیں اور انگریزوں کے نام لیتے ہیں۔ اور اُن کی کتابوں کے
حوالے دینے لگتے ہیں ؛

مُختصر یہ کہ دُنیا الگ معبُود ہو رہی ہے۔ حکومت کی طرف سے جو اثر ہو رہا ہے وُہ
ظاہر ہے۔ بچے یُوں مُبتلا ہیں۔ مدارس میں مذہبی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں اور مُسلمان کر
نہیں سکتے۔ گورنمنٹ برداشت نہیں کر سکتی کہ ہر مذہب کے مُعلّم مدرسوں میں اپنی گرہ سے
قائم کرے کیونکہ مذہبی تعلیم دینا خود مُسلمانوں کا اپنا فرض ہے۔ اور اصل تو یہ ہے کہ خود
مُسلمانوں کی حالت ایسی ہے کہ جہاں جہاں اُنہوں نے بظاہر دینی تعلیم کا انتظام
کیا بھی ہے وہاں بھی یہ حالت ہے کہ دینی تعلیم اصل مقصد نہیں بلکہ دُنیوی علوم کے
ساتھ برائے نام ایسا رکھا گیا ہے ؛

مَیں اپنے یہاں دیکھتا ہُوں دُوسرے مدرسوں کی نسبت یہاں دینیات کی طرف توجہ
ہے مگر مَیں نے دیکھا ہے کہ لڑکے مسجد میں بھی انگریزی کتابوں کے ہجے یاد کرتے رہتے
ہیں مجھے تعجب ہی ہُوا ہے۔ عربی اور قرآن شریف کی طرف وُہ توجہ نہیں پاتا ہُوں۔
جو انگریزی اور اُس کے لوازمات کی طرف ہے ؛

غفلت جس قدر مسلمانوں پر سایہ کئے ہُوئے ہے۔ اس کا تو ذکر ہی نہ پُوچھو۔

اعمال میں یہ حالت ہے کہ گھر میں تو اِنَّآ اَعْطَیْنٰا بھی گراں گذرتی ہے۔ لیکن اگر امام ہوں تو سورۂ بقرہ بھی کافی نہیں۔ حدود اللہ میں یہ غفلت ہے کہ اپنی ہی سستی اور کمزوری سے تمام حدود اُٹھ گئی ہیں۔ کسی کو جھوٹ یا چوری یا دوسری خلاف ورزیوں کی سزا نہیں ملتی ہے اِن باتوں کا اگر ذکر نہ بھی کریں اور مختصر الفاظ میں کہیں تو یہ ہے کہ مذہب سے ناواقفی ہو گئی ہے۔ مہذب جماعۃ نے مذہب کا ذکر ہی خلاف تہذیب سمجھ رکھا ہے۔ مذہبی معاملوں کو وہ اِس قدر نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس کی کچھ حد ہی نہیں۔ ان کی مجلس میں اگر اسلام یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم یا قرآن کی نسبت سخت الفاظ میں حملے کئے جاویں تو اُن کو سُن کر خاموش ہو رہنا اور کسی قسم کا جواب نہ دینا فراخ حوصلگی اور مرنج ومرنجاں کا ثبوت ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ مذہب کا تعلق صرف دِل سے ہے زبان سے یا اعمال سے یا مال سے اِس کا کوئی واسطہ ہی نہیں ہے *

جہاں تک نظر دوڑاؤ مخلوق کو عجیب حالت میں مُبتلا پاؤ گے۔ باوجود اس حالت کے آزادی یہاں تک ہے کہ شاکت مذہب کے متعلق تک بھی کتابیں شائع ہو گئی ہیں اور گپت پرکاش کے نام سے ان کے حالات ظاہر ہو گئے ہیں۔ کوئی مذہب ایسا نہیں رہا جو اس وقت دُنیا میں موجود ہو اور اُس کے عقائد اور متعلقات پبلک کے سامنے نہ آئے ہوں

جب یہ حالت ہے تو پھر میں مسلمانوں سے خطاب کر کے پُوچھتا ہوں کہ

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

کا وقت کب آئیگا۔ اور علامات اور واقعات سے اگر تم استدلال نہیں کرتے تو مجھے اس کا جواب دو کہ مذاہبِ مختلفہ کا ظہور تو اب ہو چکا ہے وہ رسُول اِس وقت کہاں ہے جسنے اسلام کو جمیع ملل پر غالب کر کے دِکھانا ہے *

الغرض انسان کی اپنی ضرورتیں۔ پس و پیش کی ضرورتیں۔ اعمال کا مقابلہ عقل اور فطرت کے ساتھ۔ عقلاء کی گواہیاں۔ راست بازوں کی گواہیاں۔ اپنے نفس کی گواہیاں۔ موجودہ ضروریات کیا کافی نہ تھیں۔ یہ ثابت کرنے کے واسطے کہ یہ زمانہ امام کا زمانہ ہے۔

بے شک یہ ساری شہادتیں کافی ہیں کہ یہ امام کا زمانہ ہے۔ اور یہ سچ ہے کہ کوئی درخت جڑ کے سوا۔ کوئی کام ایک مخزن کے سوا نہیں چلتا۔ آخر خدا ہی کا فضل ہوا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ اللہ تعالےٰ بڑے فضلوں کا مالک ہے۔ یہ اسی کا فضل ہے کہ وہ کس کس زمانہ میں امام۔ معلّم۔ مزکّی۔ تا آں بھیجدیتا ہے۔ اور کوئی قوم کا درد مند انسان مبعوث فرمادیتا ہے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسی کے فضل اور رحم کا ایک عظیم الشان نمونہ تھا۔ آپ کی بعثت اللہ تعالےٰ کی رحمانی صفت کے انتہائی تقاضے کا نتیجہ تھے اسی لئے فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ محمدؐ وہی ہوتا ہے جس کی تعریف کی جاتی ہے۔ آپ کے نام ہی میں رحمانیت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ تعریف اُسی کی کی جاتی ہے جو بلا مزدوری کام آئے اور شفقت فرمائے۔ اگر مزدوری بھی لے تو تعریف کیسی؟ بے وجہ عنایت فرما کی ہی تعریف ہوتی ہے۔ اور بے مانگے دینے والا رحمٰن ہوتا ہے۔ پس محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم رحمان کا مظہر ہوئے اس قسم کے رحیم و کریم عنایت فرما کے احکام کی خلاف ورزی ایک شریر النفس اور ناپاک فطرت کا کام ہے کیونکہ فطرتی طور پر بمصداق جبلت القلوب علیٰ حب من احسن الیھا محسن کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اور محبت کا شدید

تقاضا اس کی اتباع ہے اسلئے فرمایا گیا:-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

جو چاہتا ہے کہ وہ مولا کریم کا محبوب ہو اُس کو لازم ہے کہ وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے۔ اور سچی اتباع کامل محبت سے پیدا ہوتی ہے۔ اور محبت محسن کے احسانوں کی یاد سے بڑھتی ہے۔ جو شخص اس محسن اور عنایت فرما کی خلاف ورزی کرتا ہے جو بلا وجہ اور بلا مزد مروت و احسان کرتا ہے وہ سب سے زیادہ سزا کا مستحق ہوتا۔ اسی لئے ابوالحنفاء کے مُنہ سے قرآن شریف میں اب آذر کو یہ کہلوا دیا اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ یعنی جس نے بلا وجہ تم پر احسان کیا۔ قلب اچھا ہوتا تو اُسکی محبت میں تو ترقی کرتا۔ برخلاف اس کے تُونے بُتوں کی پرستش کی۔ پس اس رحمانی صفت کے انکار کی وجہ سے عذاب بھی شدید آئیگا۔

پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس پہلو سے بھی رحمانیت کے مظہر تھے کہ آپ قرآن جیسی رحمت۔ شفا۔ نور۔ امام کتاب لیکر آئے اور قرآن کا نزول رحمانی صفت ہی کا تقاضا تھا۔ جیسے فرمایا:- اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ قرآن کا نزول چونکہ اس صفت کے نیچے تھا آپ جب معلم القرآن ہوئے تو اسی صفت کے مظہر بنکر باوجود اس کے کہ اُن سے دُکھ اُٹھائے مگر دُعا۔ توجہ۔ عقد ہمت اور تدبیر کو نہ چھوڑا۔ یہانتک کہ آخر آپ کامیاب ہو گئے۔ پھر جن لوگوں نے آپ کی سچی اور کامل اتباع کی اُن کو اعلےٰ درجہ کی جزا ملی۔ اور انکی تعریف ہوئی۔ اس پہلو سے آپ کا نام احمد ٹھیرا کیونکہ دُوسرے کی تعریف جب کرتا ہے جب فائدہ دیتا ہے۔ چونکہ آپ نے عظیم الشان فائدہ دُنیا کو پہنچایا۔ اس لئے آپ کی تعریف بھی اسی قدر ہوئی۔ اس سے بڑھ کر کیا فائدہ

ہوگا کہ ابد الآباد کے لئے خلافت کا سلسلہ آپ کے کامل متبعین میں رکھدیا۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ الآیۃ اسی وعدہ حقہ اور صادقہ کے موافق آج بھی خدا تعالےٰ نے خاتم الخلفاء کو بھیجا ہے۔

غرض خدا میں جو رحمٰن و رحیم کی صفت تھی۔ محمدؐ و احمدؐ میں جلوہ گر ہوئیں اس لئے وہ اپنے سچے غلاموں میں دونوں باتیں پیدا کر دیتا ہے۔ اور یہ دیکھا گیا ہے کہ جس قدر مصلحان اسلام میں ہوئے ہیں وہ یا اسم محمدؐ کے نیچے تھے یا اسم احمدؐ کے۔

میں نے دیکھا ہے کہ علماء ایک بڑی بھاری غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں جبکہ وہ تمام مختلف پیشگویاں جو مختلف اشخاص کے حق میں ہوئی ہیں ایک ہی آدمی میں جمع کرنا چاہتے ہیں۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ کی آیت بھی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ موعود خلیفے ایک سے زیادہ ہونگے۔ پھر کیوں سعی کی جاتی ہے کہ سب کا مصداق ایک ہی ہو مختلف مہدی ہوئے اور اپنے اپنے وقت پر ہوگذرے۔ مسیح بھی ایک مہدی ہے اور وہ اب موجود ہے۔ مگر ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ جس کو چاہتا ہے فضل دیتا ہے اگر کہو کہ اس وقت بہت سے سلسلے گدی نشین اور سجادہ نشین اور کیا کیا ہیں تو سنو: مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ اسفار ان بڑی کتابوں کو کہتے ہیں جنسے کشف حقائق ہو جاتا ہے مگر کوئی بتائے کہ ان انکشافات کے اسباب سے گدھا کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ گدھا جس کی عقل ہمت اور توجہ اس سے پرے نہیں کہ دانہ اور گھاس ملجاوے یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ اچھی اور ہری مل جاوے اور طویلہ کا آخری حصہ ہو جو خاکروب نے اچھی طرح صاف نہ کیا ہو۔ رات کو جھول

اور پالان ملجاوے۔ مقدرت سے زیادہ بوجھ نہ ہو۔ اصل غرض اسکی تھوڑی سی نفس پرستی ہے۔ اسی مثال کو اللہ تعالےٰ یہاں بیان کرتا ہے کہ بُہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ کہ اُن کے پاس انکشافِ حقائق کے اسباب ہوتے ہیں مگر وہ اُن سے اِس قدر فائدہ صرف اُٹھاتے ہیں جسقدر گدھا دانے۔ گھاس جھل۔ پالان اور تھوڑی سی رسّی یا اروڑی سے پس جن کی اصل غرض دُنیا ہوتی ہے۔ وہ ان اسباب انکشاف حقائق سے اُسی مقدار دُنیا طلبی کے فائدے اُٹھاتے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں *

اِس وقت ایک قوم دُنیا میں موجود ہے۔ جس نے ۲۷سو زبان میں ایک کتاب کا ترجمہ کیا ہے اور پھر ترجمہ در ترجمہ کرکے بھی کہتے ہیں کہ وہ کلام اللہ ہے۔ اگر پوچھو کہ اُس پر عمل کرنا شرط ہے یا نہیں؟ تو کہدیتے ہیں کہ شرط نہیں کیونکہ شریعت **لعنت** ہے۔ پر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قدر بوجھ کیونکر اُٹھایا ہے۔ اسکی غرض ترجمہ کنندہ کی غرض روپیہ ہے پرینچر کی غرض اتنی ہی ہے کہ تنخواہ ملجاوے۔ یہ قوم اس کی مصداق ہے۔

يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ الاٰیۃ *

یہ صاف ظاہر ہے کہ اِس قدر زبانوں میں مسیح نے کلام نہیں کیا مگر پھر بھی وُہ اس کا نام **کلام اللہ** کتابِ مُقدّس رکھا جاتا ہے۔ پریچروں کو کلامِ الٰہی کے خادم کہا جاتا ہے اس سے کس صفائی کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ کہ تیلوا کی صفت نہیں رہی یہ تو ہے غیر مذہب کے لوگوں کا حال اپنے گھر میں غور کرو۔ کثرت کے ساتھ وہ لوگ جو عُلما کہلاتے ہیں۔ ایسے ملیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ تَبَارَكَ الَّذِي یاد ہے اور کچھ نماز جنازہ آجاوے گویا سارے قرآن میں انکو اتنی ہی ضرورت ہے کہ مُردے یا نئے تعلق نکاح وغیرہ کچھ

بلجاوے۔ قرآن کی غرض و غایت اِن کے نزدیک صرف اتنی ہی ہے اس سے آگے کچھ نہیں۔ مُصنفوں کو دیکھو کتابیں لکھتے ہیں مطلب صرف اتنا ہے کہ کچھ فائدہ ہو اِن اسفار کا نتیجہ گدھے کی طرح ہے جو فوائدِ قلیلہ کے لئے اس قدر بوجھ اُٹھاتا ہے کیا بُری مثال ہے وہ جامع اخلاق اِنسان جو صفاتِ عالیہ کا وارث ہو سکتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کے فضل و رحم کا وارث بن سکتا ہے۔ وہ اِنسان جس کا خُدا اللہ ہے اور بچھڑا نہیں وہ اِس بات پر ایمان لاتا ہے کہ اخلاق فاضلہ کے حاصل کرنے منشاء زندگی کو معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مُعلّم آئے جو مزکّی ہو اور تالی آیات اللہ کا ہو۔ مجھے اس آیت نے بارہا متاثر بنایا ہے۔ اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْھِمْ قَوْلًا وہ معبُود کیسا ہو سکتا ہے جو کسی کی بات کا جواب ہی نہیں دیتا۔ اگر وہ کسی ایک سے کبھی بولتا تو کم از کم یہ الزام اُٹھ جاتا۔ جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اب کسی سے کلام نہیں کرتا۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وہ بچھڑے خُدا پر ایمان لائے ہیں نہ کہ متکلم خُدا پر۔ وہ ہرگز نہیں مانتے کہ وہ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ خُدا ہے۔ ایک نیچری کہتا ہے کہ دُعاؤں کا کچھ نتیجہ اور اثر نہیں۔ اِس قسم کا اعتقاد رکھنے والا بھی خدا کو بچھڑا ہی مانتا ہے۔ اِسلام کے خُدا پر وُہ یقین نہیں لاتا۔ جس کی بابت یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ وہ اللہ وہی ہے جس نے یہ سچ فرمایا

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ

غرض اِنسان اسفار سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا جبتک مُعلّم۔ مزکّی۔ موجُود نہ ہو۔ اگر ساری دانش اور قابلیت کتابوں پر مُنحصر ہوتی تو میں سچ کہتا ہُوں کہ سب سے بڑھ کر تجربہ کار ہوتا کیونکہ جس قدر کتابیں میں نے پڑھی ہیں بہت تھوڑے ہونگے جنہوں نے اس قدر

مطالعہ کیا ہوا اور بہت تھوڑے ہونگے جنکے پاس اسقدر ذخیرہ کتب کا ہوگا مگر میں یہ بھی سچ کہتا ہوں کہ وہ ساری کتابیں اور سارا مطالعہ بالکل رائگاں اور بیفائدہ ہوتا۔ اگر میں امام کے پاس اور اُس کی خدمت میں نہ ہوتا۔ مجرد کتابوں سے آدمی کیا سیکھ سکتا ہے جبتک مُزکّی نہ ہو۔ اب میری حالت یہ ہے کہ جبکہ مینے محض خدا کے فضل سے راستباز کو پالیا ہے تو ایک منٹ بھی اُس سے دُور رہنا نہیں چاہتا۔ یہانتک کہ ایک نے ہزار روپیہ دیکر بُلوانا چاہا مگر مینے گوارا نہ کیا۔ پھر اسپر مجھے تعجب اور حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے دوسرے بھائی کیونکر قادیان سے باہر جانا چاہتے ہیں۔ میں یہ باتیں صرف تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کہتا ہوں شاید کسی کو فائدہ ہو کہ مینے بہت کتابیں جمع کیں لیکن جو کچھ مجھے ملا محض اُسکے فضل سے ملا۔ تم نہ سمجھے۔ کوئی دعوٰی نہ تھا اُسوقت میرے دل نے مان لیا تھا کہ یہ سچا ہے۔ میرے لئے اُسکی سچائی کی دلیل اور نشان میں آپ ہی تھا۔ پھر میرا لڑکا عبدالحی آیۃ اللہ ہے۔ محمد احمد مرگیا تھا۔ لودھیانہ کے ایک معترض نے اسپر اعتراض کیا۔ میرے غافل قلب نے اُس کی پرواہ نہ کی اور حقیقت میں میری یہ حالت ہے کہ میں محض اولاد کا خواہشمند نہ تھا۔ میں اسی مجلس میں ایک شخص کو بطور شہادت پیش کرسکتا ہوں اور وہ ایڈیٹر الحکم ہے کہ ایک طبیب نے جو اشتہاری ہے مجھے اسکی معرفت پیغام دیا کہ تم میرا علاج کرو۔ تمہارے یہاں اولاد ہوجاویگی۔ مینے اُسکو یہی جواب دیا کہ مجھے محض اولاد کی ضرورت نہیں بلکہ سعادتمند اولاد کی ضرورت ہے اگر اس کا کوئی نسخہ تمہارے پاس ہو تو میں کئی ہزار روپیہ دینے کو طیار ہوں۔ اِسکا جواب اُس نے کچھ نہ دیا۔

غرض مینے اُس لودھیانوی معترض کی تحریر کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا اور اُسپر کوئی توجہ نہ کی مگر میرے آقا امام نے اسپر توجہ کی تو اُسکو وہ بشارت ملی جو انوارالاسلام کے صفحہ ۲۶

پیدا ہوا ج ہے۔ اور پھر اس کے چند برس کے بعد یہ بچہ جس کا نام عبدالحی ہے۔ پیدا ہوا۔ کشف کے مطابق اسکے جسم پر بعض پھوڑے نکلے جنکے علاج میں میری طبابت گرد تھی عبدالحی کو اِن پھوڑوں کے باعث سخت تکلیف تھی اور وہ ساری رات اور دن بھر تڑپتا اور بیچین رہتا جس کے ساتھ ہمکو بھی کرب ہوتا۔ مگر ہم مجبور تھے کچھ نہ کر سکتے تھے۔ اِن پھوڑوں کے علاج کی طرف بھی اِس کشف میں ایما تھا۔ اور اُسکی ایک جزو ہلدی تھی۔ اور اُس کے ساتھ ایک اور دوائی تھی جو یاد نہ رہی تھی۔ ہمنے اُس کے اضطراب اور کرب کو دیکھ کر چاہا کہ ہلدی لگائیں۔ آپ نے کہا کہ میں جرأت نہیں کرسکتا کیونکہ اس کا دُوسرا جزو یاد نہیں مگر ہمنے غلطی کھائی اور ہلدی لگادی جس سے وہ بہت ہی تڑپا اور آخر ہمکو وہ دھونی پڑی اسسے ہمارا ایمان تازہ ہوگیا کہ ہم کیسے ضعیف اور عاجز ہیں کہ اپنے قیاس اور فکر سے تو بات نہیں نکال سکتے۔ اور یہ مامور اور مُرسلوں کی جماعت ایک مشین اور کل کی طرح ہوتے ہیں جس کے چلانے والا اللہ تعالٰی ہی ہوتا ہے۔ اُسکے بُلائے بغیر یہ نہیں بولتے۔ غرض میرا ایمان ان نشانوں سے بھی پہلے کا ہے۔ اور یہ خُدا کا فضل ہے کہ اُس نے ہم کو نشان کے بغیر نہ چھوڑا۔ سینکڑوں نشان دِکھا دئے۔ اور خُود میرے ہی گھر میں نشان موجُود ہے۔ جس کا میں نے ذکر بھی کیا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھو کہ جو لوگ اپنا ایمان کسی نشان سے مشروط رکھتے ہیں وہ ٹھوکر کھاتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالٰے کو آزمانا چاہتے ہیں اور اس سُوءِ ادبی اور جرأت کی سزا اُنکو یہ مِلتی ہے کہ وہ محروم رہجاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اقتراحی معجزات مانگتے ہیں اُنکو کوئی نشان نہیں دیا جاتا۔ میں نے اب بھی ایسے لوگ دیکھے ہیں جو اِس قسم کے اعتراض اور جرأت کیا کرتے ہیں کہ اتنے عرصہ میں فلاں قسم کا عذاب ہمپر آجائے۔ وہ اللہ تعالٰی کو اپنی

عقل اور حد کے پیمانہ میں محدود کرنا چاہتے ہیں۔ اور اُسپر حکومت کی خواہش کرتے ہیں۔
حالانکہ اَللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ اُس کی شان ہے ۔

مختصر یہ کہ ہم محتاج تھے اور قحط زدہ تھے فطرتًا ہم چاہتے تھے کہ اِس وقت ہماری دستگیری کی جاوے لیکن ہماری صرف صُورۃ سوال تھی اگر ہم میں عقل ہوتی تو زمانہ کی حالت کو دیکھ کر آنے والے کی تلاش کرتے۔ مگر میں پھر بھی اللہ تعالیٰ کے بڑے فضل کا شکریہ کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے ٹھوکر نہیں کھانے دی بلکہ میری حفاظت فرمائی ۔

قُلْ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوْا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰہِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔ کہدو! اے یہودیو! اگر تمہیں یہ ناز اور گھمنڈ ہے کہ تم اللہ کے ولی ہو۔ تو اگر اس دعوے میں سچے ہو تو پھر الموت کی تمنا کرو ۔

یہودیوں کو اِسلئے خصوصًا مخاطب فرمایا کہ وہ عیسائیوں کے بالمقابل مشکلات میں نہ تھے۔ اور کتاب اللہ کے وارث تھے۔ چونکہ عمل نہ تھا۔ اور دُنیوی لذات اور شہوات پر جو عارضی اور فانی ہیں مرمٹے تھے۔ اِسلئے گدھے کہلائے۔ بااین وہ اِس امر کے مُدعی تھے کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ اِن کا یہ دعویٰ لوگوں کو حیرت میں ڈالتا تھا۔ اِسلئے اِس دعوے کی صحت اور عدم صحت کے لئے اللہ تعالےٰ اب اِس طرح پر تحدی کرتا ہے عیسائیوں کی طرح مشکلات میں نہ تھے۔ اِس سے یہ مُراد ہے کہ عیسائی قوم اپنی کتاب کے متعلق خطرناک مشکلات میں مبتلا ہے۔ اوّل حضرت مسیح علیہ السلام کی کوئی کتاب ہی ان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اور یہ مشکل بہت ہی خطرناک مشکل ہے۔ پھر دوسری مشکل یہ ہے کہ جو کچھ اِن کے ہاتھ میں ہے اِس کے متعلق یہ قطعی اور یقینی فیصلہ نہیں ہے کہ وہ مسیح کے حواریوں کی ہی ہے۔ کیونکہ لوقا اور مرقس کی بابت تو صاف فیصلہ ہے کہ وُہ حواری نہ تھے۔ اور یوحنا

کی بابت بھی بہت سے اعتراض ہوتے ہیں۔ اور اُن میں الحاقی حصے پائے جاتے ہیں پھر یہ دعویٰ نہیں کہ وُہ خُدا کے اِلہام اور وحی سے لکھے گئے ہیں۔ پھر تیسری مشکل اور ہے کہ اُن میں باہم اس قدر اختلاف ہے جو اُنکو پایۂ اعتبار سے ساقط کر رہا ہے۔

علاوہ بریں بہت سی باتیں اُن میں ایسی پائی جاتی ہیں جن کی کوئی اصل ہی نہیں۔ چہارم یہ مشکل ہے کہ جس زبان میں مسیح نے وعظ کہا تھا۔ وہ عبری زبان تھی۔ ان کی ماں کی بھی یہی بولی تھی۔ چُنانچہ مسیح کے آخری الفاظ جو انجیل میں موجود ہیں۔ ایلی ایلی لما سبقتانی یہ بھی عبرانی ہیں۔ لیکن اِس کے مقابلہ میں یُونانی کو اصل سمجھا گیا۔ حالانکہ یہ زبان عبری کے مقابل میں ردّی اور کُفر سمجھی جاتی تھی۔ یہانتک کہ یروشلم میں یُونانی کے مُتعلق کِسی نے فتویٰ پوچھا۔ کہ کیا اس کو پڑھ سکتا ہوں۔ تو اس کو یہی جواب دیا گیا۔ کہ رات اور دِن کے تمام گھنٹوں میں عبرانی پڑھو۔ پھر اس سے جو وقت بچے اُس میں یُونانی پڑھ لو۔ اب اس سے اندازہ کرلو کہ یُونانی کیسی پھیلی ہُوئی تھی۔ اور اس سے کِس طرح فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ یوسی فس مؤرخ عبری تھا۔ وُہ یُونانی جانتا تھا۔ مگر اُسے یہ عُذر کرنا پڑا۔ کہ یُونانی حرام ہے۔ اچھا آدمی اس کو سیکھ نہیں سکتا۔ یُوسی فس مستثنیٰ کیا گیا ہے اور اس طرح پر گویا قوم کا کُفر کیا گیا ہے۔ غرض اِس قسم کے مشکلات میں عیسائی قوم مُبتلا ہیں۔ سب سے بڑی مشکل جس کا ابھی میں نے ذکر کیا انجیل کی اصلی زبان کا سوال ہے۔ جس کے حل نہ ہونے کی وجہ سے اناجیل کی حقیقت بہت ہی کمزور اور بے اصل ثابت ہوتی ہے۔ جب یہ پتہ ہی نہ رہا کہ اصل کتاب کِس زبان میں تھی؟ تو کتاب کی اصلیت میں کِتنا بڑا شک پڑتا ہے۔ اور یہ ایسی زبردست زد ہے عیسائی مذہب پر کہ اِسکا جواب کچھ نہیں دیسکتے۔ چُونکہ اصل کتاب ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ ترجمہ در

ترجمہ ہے۔ اِسلئے اَور بھی غلطیاں در غلطیاں اسمیں واقع ہوگئی ہیں۔ اور اس کا اندازہ کرنا ہی اب قریباً ناممکن ہوگیا ہے کہ یہ قوم کس قدر غلطیوں میں مُبتلا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اِس کتاب کے مُتعلق یہی فیصلہ دیا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝

غرض عیسائی قوم توان مُشکلات میں مُبتلا تھی اور ہے۔ اِسلئے اُس قوم کو مخاطب کیا جسکا یہ دعویٰ تھا۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ پس اُن کو مخاطب کرکے کہا کہ اگر تمہارا یہ دعوٰے اور زعم ہے کہ تم خُدا کے محبوب اور ابنا اور اولیا ہو تو پھر الموت کی تمنا کرو۔

اولیاء اللہ نہیں فرمایا اِسلئے کہ اللہ تعالےٰ نے پسند نہیں فرمایا کہ ایسی قوت کو جو گدھے سے مشابہ ہوچکی ہے اپنی طرف مضاف کرے۔ **الموت** کی تمنی کرو۔ یہ ایک قول فیصل ہے ان لوگوں کے درمیان اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے **بروز** علیہ الصّلوۃ والسّلام کے درمیان۔ بہادر ہو۔ خُدا کے حضور اپنے تئیں راستباز اور مُقرب سمجھتے ہو۔ تو پھر آؤ میری موت کے لئے بددُعائیں کرو۔ اور منصُوبے باندھو کہ مَیں جاؤں۔ پھر دیکھ لوگے کہ کون کامیاب ہوتا ہے۔ چنانچہ غور کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے کِس قدر کوششیں اور ناپاک منصُوبے کئے گئے۔ اور آپ کی جان لینے کے سلئے کونسا دقیقہ تھا۔ جو باقی رکھا گیا۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے کیسے اپنے وعدہ کو پُورا کیا۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ میں الموت کے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم

کی موت کی آرزو اور کوشش کیوں کرتا ہوں اسکا ایک زندہ ثبوت ہے۔ احمدی کے مظہر نے دُنیا کے تمام سجادہ نشینوں اور سیفی پڑھنے والوں کو کہا ہے کہ میرے لئے بددعا کرو۔ اور پھر دیکھو کہ وہ کس پر اُلٹ پڑتی ہے۔ مخالف جو بددعائیں کرتے ہیں اُن کی بدعائیں اُنہیں پر لوٹیں گی۔ جو موت کی آرزو کرتے ہیں خود موت کا نشانہ بنیں گے۔ اور آخر اُن کو ماننا پڑیگا۔ اور یا منافقانہ رنگ میں خاموش ہو جائیں گے۔ اور ملل ہالکہ چوہڑوں چماروں کی طرح زندگی بسر کریں گے۔

لَا یَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا

یہ کبھی بھی مرد میدان ہو کر نہ نکلیں گے اور الموت کی تمنا نہ کرینگے۔ مباہلہ کے لئے نہ آئیں گے۔ لوگوں کے سامنے کیونکہ انکار نہیں کر سکتے اسلئے ایسی شرائط اور حجتیں پیش کرینگے جنکا آخری نتیجہ یہ ہو کہ مباہلہ نہ کرنا پڑے۔ کیونکہ اپنی بداعمالیوں اور ایمانی کمزوریوں کو تو خوب جانتے ہیں۔ صرف پردہ دری کے لئے حیلے بہانے کرتے ہیں۔ اور دُنیوی مفاد اور منافقوں کو نقصان سے بچانے کی خاطر یہ بجائے خود کیسی حیرت انگیز اور عظیم الشان تحدی ہے جس میں مخالفوں کو غیرت بھی دلائی گئی ہے کہ کبھی بھی مباہلہ میں نہ نکلیں گے۔ اب اگر وہ اپنی ذاتی شعور اور بصیرۃ سے اپنے ایمان میں قوت پاتے ہیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حق پر نہیں سمجھتے تو پھر کونسا امر ہے جو ان کو اس تمنی سے روک سکتا ہے؟ وہ اتنا ہی غور کریں کہ اِس میدان میں نہ نکلنے سے لَا یَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا کی پیشگوئی پورا کرنیوالے ٹھیریں گے۔ مگر آخر خدا تعالیٰ ہی کی باتیں سچی اور لاتبدیل ہوتی ہیں۔ یہی سچ ہے کہ وہ کبھی الموت کی تمنی نہ کرینگے۔ کیونکہ۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۔ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ

فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْکُمْ۔ الآیۃ ؛

اللہ تعالےٰ صُدور (مراکز قوی) کا عالِم ہے۔ مگر یاد رکھیں کہ یہ بھی مُباہلہ ہی ہے۔ مُقابلہ جو کرتے ہیں۔ اُس مقابلہ میں مباہلہ کا رنگ موجود ہوتا ہے۔ اسلئے وُہ موت جس سے بھاگتے ہیں اُسی سے مخالف ہلاک ہوتے ہیں ؛

ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ

پھر عالم الغیب کے حضور جاؤ گے۔ اور وہاں بھی عذاب ہوگا۔ اور یہ اربعہ مُتناسبہ کے قاعدہ کی رُو سے صحیح ثابت ہے کیونکہ جب اِس جہان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد کے مُوافق وُہ معذب ہُوئے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد کے مُوافق وہ اُس جہان میں بھی مُعذّب ہونگے ؛

اب اُس قوم کا فیصلہ کرکے اللہ تعالےٰ صرف مومنوں کو مخاطب کرتا ہے یا بہ تغیر الفاظ یُوں کہو کہ اٰخرین منھم لما یلحقوا بھم کی مصداق قوم کو مخاطب کرتا ہے اور پہلے اُس قوم کا ذکر کیا کہ جنہوں نے تشابہ بالیہود کیا ؛

اٰخرین منھم لما یلحقوا بھم کے مصداق گروہ کو مخاطب کرکے فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ ؕ یعنے اے مومنو! جب تم نماز کے لئے جمعہ کے دِن پکارے جاؤ تو اللہ کے ذکر کیطرف کوشش کرکے چلے آؤ۔ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے ؛

مَیں نے ابھی کہا ہے کہ یہ آیت اٰخرین منھم لما یلحقوا بھم کے نیچے ہے۔ اور یہ بالاتفاق مانا گیا ہے کہ وہ مسیح موعود و مہدی مسعود کا زمانہ ہے۔ کھُلے الفاظ میں یُوں

یوں کہتا ہوں کہ یہ قوم ہماری قوم احمدی قوم ہے۔ اور تمکو اللہ تعالیٰ مخاطب کے فرماتا ہے مسیح موعود کا زمانہ بھی حقیقت میں ایک جمعہ ہے۔ جیساکہ آدم علیہ السلام کی پیدائش کی تکمیل جمعہ کی آخری ساعت میں ہوئی تھی۔ اِسی طرح پر یہ ضروری تھا کہ آدم ثانی کی بعثت بھی جمعہ ہی کہلائے۔ اور جس طرح پر جمعہ کے دن باقی آئمہ کو معطل کر دیتا ہے اور مسلمانوں کو ایک مسجد میں جمع کرکے ایک ہی امام کے تابع کر دیتا ہے۔ مسیح موعود کا نام امامکم منکم اِسی لئے رکھا گیا ہے۔ اور حکم بھی اسیواسطے رکھا گیا ہے۔ یہ باتیں میں محض خوش اعتقادی کی بناء پر نہیں کہتا۔ بلکہ میں یقین کہتا ہوں اور اللہ تعالےٰ نے جہاں تک مجھے سمجھایا ہے۔ ہاں اُس نے آپ سمجھایا ہے۔ قرآن شریف اِسی مطلب کو ادا کرتا ہے۔ اور قرآن شریف نے اِس آیت میں نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا میں اِسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت اٰخرین منھم لما یلحقوا بھم کو سورہ جمعہ ہی میں اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے +

غرض مسیح موعود کا زمانہ ایک رُوحانی جمعہ ہے۔ اور یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مُراد وُہی قوم ہوسکتی اور ہے جو مسیح موعود کو ماننے والی ہے۔ اگرچہ عام طور پر عام مسلمان بھی اس حکم کے نیچے ہیں۔ لیکن جو باوجود مسلمان اور مومن کہلانے کے مسیح موعود کا انکار کرتے ہیں۔ وہ دراصل قرآن شریف کی اِس آیت کے مصداق ہیں:۔

یُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَیَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ

پس میں یقینی طور پر سچا مصداق اس آیت کا اُنہیں لوگوں کو مانتا ہوں جو کل قرآن شریف پر ایمان لاتے ہیں اور عملی یا اعتقادی طور پر کسی حصہ کا اِنکار نہیں کرتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ مُومنوں کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ تم ذکر اللہ کی طرف چلے آؤ +

صلوٰۃ کیا ہے؟ اس کا جواب خود اللہ تعالےٰ نے اپنی پاک کتاب میں دیا ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ

نماز تمام بیحیائیوں اور بدکاریوں سے روکتی ہے۔ پس اگر نماز پڑھ کر بھی بیحیائیاں اور بدیاں نہیں رُکتی ہیں۔ تو سمجھ لینا چاہئے کہ ابھی تک نماز اپنے اصل مرکز پر نہیں۔ اور وُہ سچا مفہوم جو نماز کا ہے وہ حاصل نہیں ہُؤا۔ اِس لئے مَیں تم سب کو جو یہاں موجود ہیں مخاطب کر کے کہنا چاہتا ہُوں کہ تم اپنی نمازوں کا اسی معیار پر امتحان کرو۔ اور دیکھو کہ کیا تمہاری بدیاں دِن بدن کم ہو رہی ہیں یا نہیں اگر نسبتًا ان میں کوئی فرق واقع نہیں ہُؤا۔ تو پھِر یہ خطرناک بات ہے ؛

مختصر یہ کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ جب جُمعہ کی نماز کے لئے بُلایا جاوے تو اللہ تعالےٰ کے ذکر کی طرف آجاؤ۔ یہ تمہارے لئے اچھا ہے۔ اور بیع چھوڑ دو۔ مَیں نے اِس بیع کے لفظ پر غور کی ہے۔ کہ یہ کیوں کہا؟ اِنسان مُختلف مشاغل میں مصروف ہوتا ہے۔ ملازمت۔ حرفت۔ ذراعت وغیرہ۔ یہاں خصُوصیت کے ساتھ بیع کا کیوں ذکر کیا ہے؟ حقیقت میں جو لوگ قرآن شریف پر غور کرتے ہیں اور اس کے نکات اور معارف سے بہرہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اُن کو ضروری ہے کہ وہ اسکی ترتیب اور الفاظ پر بڑی گہری نگاہ سے غور کیا کریں۔ مَینے جب اِس لفظ پر غور کی تو میرے ایمان نے یہ شہادت دی کہ چونکہ یہ سلسلہ وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کے نیچے ہے۔ اور یہ مہدی اور مسیح کا زمانہ ہے اس میں دجّال کا فِتنہ بہت بڑا ہو گا۔ اور دجّال کے معنے کتب لُغت میں جو لکھے ہیں اُس سے پایا جاتا ہے کہ وُہ ایک فرقہ عظیمہ ہوگا جو تجارت کے لئے پھریگا۔ گویا یہ مُشترکہ کمپنیاں تجارت کی طرف بُلاتی ہونگی اور ذکر اللہ اَور طرف۔ اِس لئے اِس بیع

کے لفظ میں دجّال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ؂

ایک جمعہ تو ہفتہ کے بعد پڑھتے ہیں۔ جیسے یہ جمعہ چھوٹا ہے ویسے ہی اس کے مقابل تجارتیں بھی چھوٹی ہوتی ہیں۔ لیکن ایک عظیم الشان جمعہ ہے۔ چھ ہزار برس کے بعد ساتویں ہزار کا جمعہ ہے۔ اگر اور دنوں میں جمعہ کی ضرورت ہے۔ اور اس کے حق میں جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے جو جمعہ کی پرواہ نہیں کرتا۔ اُس کا ⅓ حصّہ دل کا سیاہ ہوجاتا ہے۔ اور دو جمعہ کے ترک سے نصف اور چار جمعہ کے ترک سے سارا دِل سیاہ ہوجاتا ہے۔ اور اس طرح پر گویا عبادت کی لذّت ہی باقی نہیں رہتی پھر فرمایا جو جمعہ سے تخلّف کرتے ہیں میرے جی میں آتا ہے کہ اُن کے گھروں میں آگ لگا دی جاوے۔ اور پھر فرمایا کہ اس جمعہ میں ایک وقت ہے جو قبولیتِ دُعا کا وقت ہے۔ پھر اسی جمعہ میں آدم اپنے کمال کو پہنچا۔ اور بہشت میں داخل ہُوا۔ بہشت سے باہر مخلوقات کے پھیلانے کا ذریعہ ہُوا۔ اسی جمعہ میں بہت درود شریف پڑھنے کا ارشاد ہُوا۔ کم از کم سو بار جمعہ کی رات اور دن کو ؂

اور ایک اور عظیم الشان بات ہے کہ جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھ لیا کرو۔ اور نہیں تو کم از کم پہلی اور آخری دس آیتیں ہی پڑھ لیا کرو۔ پہلی آیتوں کو جب ہم دیکھتے ہیں تو اُن میں لکھا ہے:۔ وَیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا یعنے اُنکو ڈرایا جاوے جنہوں نے اللہ کا ولد تجویز کیا ہے اور یہ بھی ہے کہ اُس بیٹا تجویز کرنے میں مَا لَھُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ نہ اُن کے پاس نہ اُن کے بڑوں کے پاس کوئی علمی دلیل ہے۔ ہاں یہ بات ہے یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا اُن کو اپنی صنعتوں پر ہی ناز ہے ؂

اب ان تمام اُمور پر نظر کرو اور سوچو تو معلوم ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے معمولی جمعہ میں بھی فتن دجال سے ڈرایا ہے۔ جمعہ میں فتن دجّال سے ڈرانا اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے۔ جس پر اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے مطلع کیا ہے کہ جمعہ کے ساتھ **مسیح موعود** کو عظیم الشان تعلق ہے۔ بلکہ مَیں یہ یقیناً کہتا ہوں کہ جمعہ کا وجود بھی مسیح علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بعثت اور آمد کے لئے ایک نشان اور پیشگوئی تھا۔ مگر افسوس ہے کہ جب مسلمانوں نے معمولی جمعہ سے لاپرواہی کی اور اس کو ترک کر دیا تو اُس بڑے جمعہ کیطرف آنے کی ان کو توفیق ملنی بہت مشکل ہو گئی۔ مَیں نے بڑے غور کے ساتھ ہندوستان میں مسلمانوں کے زوال کی تاریخ پر فکر کی ہے اور مَیں اس صحیح نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ سلسلہ زوال اُسوقت سے شروع ہوتا ہے جب مسلمانوں نے ترک جمعہ کو کیا۔ فتن دجال سے جو جمعہ کے آداب میں ڈرایا ہے یہ اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ دجال کا فتنہ عظیم اُس جمعہ میں ہونیوالا ہے ؎

دجّال کے مختلف معنی ہیں۔ دجّال سونے کے معنے بھی دیتا ہے۔ اور دجّال تجارتی کمپنیوں کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں خُطبہ میں بیع کے لفظ سے بتایا ہے کہ دجّال کی پرواہ نہ کرو اب یہ وُہ جملہ آگیا ہے جس کی یاددہانی جمعہ میں رکھی گئی تھی۔ عجیب بات ہے کہ اس مسیح موعُود کو آدم بھی کہا گیا ہے۔ اور پھر یہ اَور بھی مشابہت ہے کہ جیسے آدم کی تکمیل جمعہ کی آخری گھڑی میں ہُوئی تھی۔ اسیطرح اس مسیح موعود کے ہاتھ پر بھی اسلام کی تکمیل اشاعت کا کام رکھا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ

مفسّروں نے بالاتفاق تسلیم کر لیا ہے کہ یہ غلبہ مسیح موعُود کے وقت میں ہو گا۔ اور

حضرت امام نے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے جو معنے کئے ہیں وہ آپ میں سے اکثروں نے سُنے ہونگے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تکمیل سے دو قسم کی تکمیل مُراد ہے۔ ایک تکمیل ہدایت دوسری تکمیل اشاعت۔ تکمیل ہدایت رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت ہو چکی اور تکمیل اشاعت ہدایت کا یہ وقت آیا ہے۔ یعنی یہ مسیح موعود کے وقت مقدر تھی چنانچہ اس وقت دیکھتے ہو اشاعت کے کس قدر سامان اور اسباب پیدا ہو گئے ہیں +

اور پھر جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک جمعہ کے ترک سے ۱/۴ حصہ دل کا سیاہ ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح پر یہ بھی مُسلّم بات ہے کہ خدا کی وحی کے اِنکار سے سلب ایمان ہو جاتا ہے۔ پھر خدا تعالےٰ کے مامُور و مرسل مسیح موعود کے انکار سے سلب ایمان ہونا یقینی ٹھیرا۔ اور پھر جمعہ میں ایک وقت ایسا ہے جو قبولیتِ دُعا کا ہے۔ اِسی طرح پر جب خدا تعالیٰ کا کوئی برگزیدہ بندہ اصلاح خلق کے لئے آتا ہے تو وُہ لیلۃ القدر کا وقت ہوتا ہے۔ جس کی بابت قرآن شریف میں آچکا ہے کہ وہ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ ہوتی ہے۔ اِن سارے اُمور کو اکٹھا کرو اور پھر سوچو اور دیکھو کہ کیا اب یہ وُہ وقت نہیں ہے؟ مَیں ایمان سے کہتا ہُوں اور پھر اسپر پُورا یقین رکھتا ہوں کہ یہ وُہی وقت ہے۔ دجّال بھی موجُود ہے اور مسیح موعُود بھی ہے +

فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ؕ

دو وقت ایسے آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُمیوں میں اپنے رسُول کو بھیجا ہے۔ ایک وُہ وقت تھا جب کُل دُنیا پر تاریکی چھائی ہُوئی تھی۔ خصوصاً عرب میں۔ اُس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اپنے وعدے کے موافق اور ابراہیم و اسمٰعیل کی دُعا کے نتیجہ میں اُنہیں رسُول مبعوث کیا۔ اور اب آپ آئے تیرہ سو سال گذر نیکے

بعد جب اسلام کی حالت پر اُمیت غالب ہوگئی اور اخلاق اور ایمانی اور عملی قوتیں کمزور اور مُردہ ہوگئیں اور قرآن شریف کی طرف بالکل توجہ نہ رہی بلکہ وُہ وقت آگیا کہ

رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا

کا مصداق ہے۔ اور قرآن آسمان پر اُٹھ گیا۔ اور ہر طرف سے اِسلام اور قرآن پر حملے ہونے لگے۔ تو خُدا کے اِس وعدے کا وقت آیا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

اِسکی حفاظت کی ضرورت ہے۔ اور چُونکہ وہ آسمان پر اُٹھ گیا ہے گویا اُس کے دُوسرے نزُول کی ضرورت ہے تب ہی تو اخرین منھم لما یلحقوا بھم والی قوم کا مُعلم ضرور ہے کہ وُہی **احمد** ہو (صلی اللہ علیہ وسلم) جو مکہ میں مبعوث ہُوا تھا۔ پس اِس وقت وُہی احمد اپنے بروزی رنگ میں آیا ہے۔ دیکھنے والے دیکھتے ہیں جنکو توفیق نہیں ملی وہ نہیں دیکھ سکتے قرآن شریف سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک نام ذکر بھی ہے اور جیسے قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ویسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا بھی وعدہ فرمایا تھا۔ واللہ یعصمك من الناس۔ اور عجیب بات ہے کہ یہی وعدہ حضرت مسیح موعود سے بھی ہُوا ہے۔ اِن ساری آیتوں پر غور کرنے سے مَیں اِس نتیجہ پر پہنچا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ یہ صحیح ہے کہ ذکر سے مُراد اِس آیۃ میں جُمعہ کی رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آخری بعثت ہے جو بروزی رنگ میں مسیح موعود کی صُورت میں ہوئی ٭

یہ وہ **ذکر** ہے جو آخری خلیفہ کہلاتا ہے۔ یہ وُہ راہ ہے جو صراطِ مُستقیم ہے پس اِس طرف آجاؤ۔ اور اس وقت دجالی تحریکوں کی طرف نہ جاؤ۔ اِس صراطِ مستقیم کی طرف

آنے یا اُس ذکر کیطرف مُتوجہ ہونیکا اتنا ہی مطلب نہیں ہے کہ مان لیا کہ وُہ حق ہے اور خدا کی طرف سے آیا ہے۔ یہ ایمان **زندہ ایمان** نہیں کہلاتا۔ جبتک اِس میں عمل کی رُوح نہ ہو۔ یہ بالکل سچ ہے کہ ایمان بدُون عمل کے **مُردہ** ہے۔ مَیں نے جس وقت حضرت امام کے مُنہ سے یہ سُنا کہ تُم میں سے بہت ہیں جو اِس چشمہ پر پہُنچ گئے ہیں۔ جو زندگی کا چشمہ ہے۔ مگر ابھی پانی نہیں پیا۔ ہاں مُنہ رکھدیا ہے۔ مَیں سچ کہتا ہُوں کہ جس وقت سے مَیں نے یہ سُنا ہے مَیں بہت ہی ترساں ہُوں اور استغفار پڑھتا رہا ہوں کہ خُدا نہ کرے۔ کہیں وہ مَیں ہی نہ ہُوں۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے کہنے میں ہم سب یہ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود محبوب اور مطاع نہ ہوگا۔ اور کوئی غرض و مقصد اللہ تعالےٰ کے اس راہ میں روک نہ ہوگی۔ اِس امام نے اِس مطلب کو ایک اور رنگ میں ادا کیا ہے کہ ہم سے یہ اقرار لیتا ہے۔ **دین کو دُنیا پر مُقدّم کرونگا**۔ اب اِس اقرار کو مدِ نظر رکھکر اپنے عمل درآمد کو سوچ لو کہ کیا اللہ تعالےٰ کے احکام اور اوامر و نواہی مُقدّم ہیں یا دُنیا کے اغراض و مطالب اِس اقرار کا منشاء یہ ہے کہ ساری جزئیں اللہ کے خوف کی اور حصولِ مطالب کی اُمید کی اللہ تعالےٰ کے سوا نہ رہیں یعنی خوف ہو تو اُسی سے۔ اُمید ہو تو اُسی سے۔ وُہی معبود ہو اُسی کی عظمت و جبرُوت کا خوف ہو جس سے اطاعت کا جوش پیدا ہو۔ ایسی اطاعت اور عبادت رُوح میں ایک تزلزل اور انکساری پیدا کریگی۔ جس سے سرُور اور لذّت پیدا ہوگی۔ اور عملی زندگی کو قوّت ملیگی۔ لیکن جب اللہ تعالےٰ کی صفات پر کامل ایمان نہ ہو تو اِس ایمان میں عملی قوّت پیدا کرنیکی صلاحیت نہیں ہوتی۔ وُہ اُس کھائے ہُوئے دانہ کی طرح ہوتا ہے جس میں نشوونما پانے کی خاصیت باقی نہیں رہی۔ غرض اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جب تم نماز کے لئے جُمعہ کے دن بُلائے جاؤ تو بیع کو چھوڑ کر ذکر اللہ کی طرف آجاؤ۔

عام جمعوں میں چھوٹی چھوٹی بیع ہے لیکن مسیح موعود کا وقت چونکہ عظیم الشان جمعہ ہے اس لئے اس وقت دجّال کا فتنہ بہت بڑی بیع ہے اِسلئے فرمایا کہ اس کو چھوڑ و اور ذکر اللہ کی طرف آجاؤ۔ نتیجہ اِس کا کیا ہے ؟

ذَالِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

اگر تم کو کچھ علم ہے تو یاد رکھو کہ یہ تمہارے لئے مفید ہے۔ اِس میں خیر و برکت ہے۔ تمہارے لئے اللہ تعالےٰ جس امر کو خیر و برکت کا موجب قرار دیتا ہے اُس کو ظنّی یا وہمی خیال کرنا کفر ہے۔ اِنسان چونکہ عواقب الامور اور نتائج کا علم نہیں رکھتا۔ اِسلئے وُہ بعض اوقات اپنی کمزوریٔ علم اور کمی معرفت کی وجہ سے گھبرا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خدا تعالےٰ کے مامور کی صحبت میں رہنا یا اُس کے پاس جانا اخراجات کو چاہتا ہے۔ یا بعض تجارتی کاموں میں اس سے حرج واقع ہوگا۔ دوکان بند کرنی پڑیگی۔ یا کیا کیا عذرات تراشتا ہے لیکن خدا تعالیٰ یقین دلاتا ہے۔ کہ اسکی آواز سُنتے ہی حاضر ہو جانا خیر و برکت کا موجب ہے۔ اِس میں کوئی خسارہ اور نقصان نہیں۔ مگر تم کو اِس کا علم ہونا چاہئے۔ پس اِس میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے۔ ہاں

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

جب نماز ادا کر چکو تو زمین میں پھیل جاؤ۔ اور اللہ تعالےٰ کے فضل کو لو۔ اِس کا اصل اور گُر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم مظفر و منصور ہو جاؤ گے۔

خُدا کی یاد ساری کامیابیوں کا راز اور ساری نصرتوں اور فتوحات کی کلید ہے۔

اسلام اِنسان کو بیدست و پا بنانا یا دُوسروں کے لئے بوجھ بنانا نہیں چاہتا۔ عبادت کے

لئے اوقات رکھے ہیں۔ جب ان سے فارغ ہوجاوے پھر اپنے کاروبار میں مصروف ہو۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ان کاروبار میں مصروف ہو کر بھی یادِ الٰہی کو نہ چھوڑے بلکہ

دست بکار دل بہ یار ہو

اور اس کا طریق یہ ہے کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مُقدم رکھے۔ اور دیکھ لے کہ آیا خلاف مرضی مولیٰ تو نہیں کر رہا۔ جب یہ بات ہو تو اس کا ہر فعل خواہ وہ تجارت کا ہو۔ یا معاشرت کا۔ ملازمت کا ہو یا حکومت کا۔ غرض کوئی بھی حالت ہو۔ عبادت کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ کھانا پینا بھی اگر امرِ الٰہی کے نیچے ہو تو عبادت ہے ؎

یہ اصل ہے جو ساری ضحتمندیوں کی کلید ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس اصل کو چھوڑ دیا۔ جب تک اسپر عملدرآمد رہا۔ اُس وقت تک وہ ایک قوم ضحتمند قوم کی حالت میں ہی لیکن جب اسپر سے عمل جاتا رہا تو نتیجہ یہ ہُوا کہ یہ قوم ہر طرح پستیوں میں گر گئی۔

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ

اور جب تجارت کے سامان ملجاتے ہیں یا کھیل تماشہ کا وقت پاتے ہیں وہ تجھے چھوڑ کر چلدیتے ہیں۔ اُنکو کہدو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو چیز ہے وہ ساری تجارتوں اور کھیل تماشوں سے بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر رزق دینے والا ہے ؎

یہ حالت انسان کی اُس وقت ہوتی ہے۔ جب وہ خدا تعالیٰ پر سچا اور کامل یقین نہیں رکھتا۔ اور اُسکو رازق نہیں سمجھتا۔ یوں ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ جب کامل ایمان ہوتا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے لئے سب کچھ چھوڑنے کے لئے طیار ہو جاتا ہے ؎

بعض لڑکوں سے مینے پُوچھا ہے کہ تم جو گھر جاتے ہو کیوں؟ کیا لہو کے واسطے اگر یہ

غرض ہے تو پھر یہ خدا کے اِس ارشاد کے نیچے ہے۔ لہوًا اور تجارۃً کو گویا خدا تعالیٰ پر مقدم کرتا ہے۔ اِس سے بچنا چاہئے ۔

اللہ تعالیٰ کو **خیر الرّازقین** یقین کرو۔ اور مت خیال کرو کہ صادق کی صحبت میں رہنے سے کوئی نقصان ہوگا۔ کبھی ایسی جرأت کرنے کی کوشش نہ کرو۔ کہ اپنی ذاتی اغراض کو مقدم کرلو۔ خدا کے لئے جو کچھ انسان چھوڑتا ہے۔ اُس سے کہیں بڑھ کر پالیتا ہے۔ تم جانتے ہو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا چھوڑا تھا اور پھر کیا پایا۔ صحابہ نے کیا چھوڑا ہوگا۔ اس کے بدلے میں کتنے گنے زیادہ خدا نے اُن کو دیا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک کیا ہے جو نہیں ہے۔ لِلّٰہِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ تجارتوں میں خسارہ کا ہوجانا یقینی اور کاروبار میں تباہیوں کا واقع ہوجانا قرینِ قیاس ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کے لئے کسی چیز کو چھوڑ کر کبھی بھی انسان خسارہ نہیں اُٹھا سکتا ۔

غرض خدا تعالیٰ کے پاس جو چیز ہے وہ ساری تجارتوں سے بہتر ہے وہ **خیر الرازقین** ہے۔ میں نے بہت سے ایسے بے باک دیکھے ہیں جو کہا کرتے ہیں ؎

اے خیانت بر تو رحمت از تو گنجے یافتم
اے دیانت بر تو لعنت از تو رنجے یافتم

ایسے شوخ دیدہ خود ملعون ہیں جو دیانت پر لعنت بھیجتے ہیں۔ پس خدا کے لئے ان ذریعوں اور راستوں کو چھوڑ دو جو بظاہر کیسے ہی آرام دہ نظر آتے ہوں لیکن ان کے اندر خدا کی خلاف ورزی پائی جاتی ہے۔ میں نے بسا اوقات نصیحت کی ہے کہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ پر عمل کرنے کے واسطے ضروری ہے یہاں آکر رہو۔ بعض نے جواب دیا ہے کہ تجارت یا ملازمت کے کاموں سے فرصت نہیں ہوتی۔ لیکن میں ان کو آج

یہ سُنتا ہوں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام تجارتوں کو چھوڑ کر ذکر اللہ کی طرف آجاؤ وُہ اِس بات کا کیا جواب دے سکتے ہیں۔ کیا ہم کُنبہ قبیلہ والے نہیں ؟ کیا ہماری ضروریات اور ہمارے اخراجات نہیں ہیں؟ کیا ہم کو دُنیوی عزّت یا وجاہت بُری لگتی ہے ؟ پھر وُہ کیا چیز ہے جو ہمکو کھینچ کر یہاں لے آئی۔ مَیں شیخی کے لئے نہیں کہتا بلکہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کہتا ہوں کہ مَیں اگر شہر میں رہُوں تو بہت روپیہ کما سکوں۔ لیکن مَیں کیوں اُن ساری آمدنیوں پر قادیان کے رہنے کو ترجیح دیتا ہُوں ؟ اِس کا مختصر جواب مَیں یہی دُونگا۔ کہ مَیں نے یہاں وُہ دولت پائی ہے جو غیر فانی ہے جِس کو چور اور قزاق نہیں لے جا سکتا۔ مجھے وُہ مِلا ہے جو تیرہ سو برس کے اندر آرزُو کرنے والوں کو نہیں مِلا۔ پھر ایسی بے بہا دولت کو چھوڑ کر مَیں چند روزہ دُنیا کے لئے مارا مارا پھروں۔ مَیں سچ کہتا ہُوں کہ اگر اب کوئی مجھے ایک لاکھ کیا ایک کروڑ روپیہ یومیہ بھی دے۔ اور قادیان سے باہر رکھنا چاہے مَیں نہیں رہ سکتا۔ ہاں امام علیہ السّلام کے حکم کی تعمیل میں پھر خواہ مجھے ایک کوڑی بھی نہ ملے۔ پس میری دولت۔ میرا مال۔ میری ضرورتیں اسی امام کے اتباع تک ہیں۔ اور دُوسری ساری ضرورتوں کو اِس ایک وجُود پر قربان کرتا ہُوں ❖

میرے دِل میں بارہا یہ سوال پیدا ہُوا ہے کہ صحابہ کو جو مہاجر تھے کیوں خلافت ملی اور مدینہ والے صحابہ جو انصار تھے۔ اس سے حصّہ نہیں مِلا۔ بظاہر یہ عجیب بات ہے کہ انصار کی جماعت نے ایسے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی مدد کی۔ جب آپ مکّہ سے تکالیف برداشت کرتے ہُوئے پہنچے۔ مگر اسمیں بھید یہی ہے کہ انصار نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے چھوڑا نہیں اُن کی نصرت کے لئے خدا نے انکو بہت کچھ دیا۔ مگر مہاجر جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے ہاں محض اللہ ہی کے لئے اپنے

گھر بار۔ بیوی۔ بچے اور رشتہ دار تک چھوڑ دئے تھے۔ اور اپنے منافع اور تجارتوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ وُہ خلافت کی مسند پر بیٹھے۔ مَیں ثقیفہ کی بحث پڑھتا تھا۔ اور منکم امیر ومنا امیر پر مَیں نے غور کی ہے مجھے خُدا نے اس مسئلہ خلافت میں یہی سمجھایا ہے کہ مہاجرین نے چونکہ اپنے گھر بار تعلقات چھوڑے تھے اُن کو ہی اس مسند پر اوّل جگہ ملنی ضرور تھی۔ اللہ تعالیٰ کے لئے جب کوئی کام کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اُس کو ضائع نہیں کرتا۔ پس ایسے عُذر بیفائدہ اور بیہودہ ہیں۔ اِس وقت دُنیا خطرناک ابتلا میں پھنسی ہوئی ہے پہلی بلا جہالت کی ہے۔ تدبّر سے کتاب اللہ کو نہیں پڑھتے اور نہیں سوچتے۔ جب تدبّر ہی نہ ہو تلاوت ہی نہ ہو۔ تو اسپر عمل کی تحریک کیسے پیدا ہو۔ کتاب اللہ کو چھوڑ دیا گیا ہے اور اس کی جگہ بہت بڑا وقت قصّوں کہانیوں اور اَور لغویات میں بسر کیا جاتا ہے ۰

دُوسرا نقص یہ ہے کہ فسق و فجور بڑھ گیا ہُوا ہے۔ بدمعاملگی ہے۔ جہالت ہے گندگی اور ناپاکی کو مُقدّم کر لیا گیا ہے۔ پھر اس کے ساتھ کبر ہے وہ کبر کہ یہ برداشت نہیں رہی کہ کوئی نصیحت کرے تو صبر کے ساتھ اُس نصیحت کو سُن لیں۔ اور اس کے ساتھ اَور مصیبت یہ ہے کہ اپنے دُکھ سے ناآشنا ہیں مرض کے حالات سے ناواقف ہیں اُسے محسُوس نہیں کرتے طبیب کی تشخیص پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں اور اُسے ہی مجنُون ٹھیراتے ہیں ۰

غرض یاد رکھو کہ اب زمانہ بہت نازک آگیا ہے۔ ایک راستباز دُنیا میں آیا ہے جس کے لئے آسمان نے گواہی دی۔ اُسوقت کہ جب خُدا ایک بچھڑا سمجھا گیا تھا۔ خُدا تعالیٰ نے اپنے کلام سے بتایا کہ وُہ زندہ اور مُتکلّم خُدا ہے۔ اور اُس نے اپنے برگزیدہ بندہ کو بھیجکر حُجّت پُوری کی مگر پھر بھی دیکھا جاتا ہے کہ اُس کی مخالفت کی جاتی اور اس کے خلاف منصُوبہ بازیاں ہوتی ہیں۔ مگر اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ یہ لوگ آخر خائب و خاسر ہونیوالے

ہیں اور ہوتے جاتے ہیں۔ مخالف منصوبے بناتا ہے۔ کوشش کرتا ہے۔ سفر کرکے خرچ کرکے فتوے تیار کرتا ہے کہ یہ کافر ہے اور زور لگا کر کہتا ہے کہ میں اس کو گراؤں گا۔ مگر اِس کے سارے اخراجات ساری محنتیں اور کوششیں رائگاں جاتی ہیں خُود گرتا ہے اور جسکو گرانے کا ارادہ کرتا تھا وُہ بُلند کیا جاتا ہے جس قدر کوشش اسکے معدوم کرنے کی کی جاتی ہے اُسی قدر وُہ اور بھی ترقی پاتا اور بڑھتا ہے ؛

یہ خُدا تعالیٰ کے ارادے ہیں اِن کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ اِس کے مخالف ثُمَّ تکون علیھم حسرۃ کے مصداق ہو جاتے ہیں۔ پس یاد رکھو اِس وقت ضرورت ہے ایسے امام کی جو حق کا سُنانیوالا۔ سمجھانیوالا۔ اور پھر تزکیہ کرنے والا ہو۔ بڑے ہی بدقسمت ہیں وُہ لوگ جو اِس نُور سے حصّہ نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور تمکو توفیق دے کہ ہم جنہوں نے اِس نُور سے حِصّہ لینے کی سعی کی اور اِس چشمہ کے پاس پہنچے ہیں پُوری روشنی حاصل کر سکیں۔ اور سیراب ہوں۔ اور یہ ساری باتیں حاصل ہوتی ہیں جب بصیرت معرفت اور عقل عطا ہو۔ اور یہ خُدا ہی کے فضل سے ملتی ہیں۔ پس جب کسی کو صادق کا پتہ لگ جائے تو ساری تجارتوں اور بیع و شریٰ کو چھوڑ کر اُس کے پاس پُہنچ جانا چاہئے۔ اور کُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ پر عمل کرنا ضروری سمجھا جاوے ؛

بعض لوگ جو یہاں آتے ہیں اور رہتے ہیں اُن کو ایسی مُشکلات پیش آتی ہیں جو اِن کی اپنی پیدا کردہ مُشکلات سمجھنی چاہئیں مثلاً کوئی کہتا ہے کہ مُجھے چارپائی نہیں ملی یا روٹی کے ساتھ دال ملی۔ میں ایسی باتوں کو جب سُنتا ہوں تو اگرچہ مجھے ان لوگوں پر افسوس ہوتا ہے جو اِن خدمات کے لئے مُقرر ہیں۔ مگر ان سے زیادہ افسوس اُنپر ہوتا ہے جو ایسی شکایتیں کرتے ہیں۔ میں اُنسے پُوچھونگا کہ کیا وُہ اِس قدر تکالیف سفر کی برداشت

کرکے روٹی یا چارپائی کے لئے آتے ہیں یا اِن کا مقصود کچھ اَور ہوتا ہے؟ میرے ایک پیر شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدینہ میں رہا کرتے تھے۔ ایک شخص ہجرت کرکے مدینہ میں آیا۔ پھر اس نے اُن سے کہا کہ میں یہاں نہیں رہتا۔ کیونکہ لوگ شرارتی ہیں۔ شاہ صاحب نے اُسکو کہا کہ تم محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے آئے تھے یا عربوں کے واسطے۔ اگر محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے آئے تھے تو وہ تو ویسے ہی ہیں جیسا کہ تم نے یقین کیا تھا۔ اور اگر عربوں کے لئے آئے تھے۔ تو وہ بیشک ایسے ہی ہیں جیسا کہ تم سمجھتے ہو۔ پس میں بھی اُن احمقوں سے یہی کہونگا جو اس قسم کی شکایتیں کرتے ہیں۔ کہ اگر تم اُخرین منہم کے معلّم کے لئے آئے تھے تو وہ اپنے خُلق عظیم کے ساتھ ویسا ہی موجود ہے۔ اور اگر ہمارے لئے آئے ہو تو ہم ایسے ہی ہیں۔ کیا کھانا۔ کپڑا۔ چارپائی گھر میں نہیں ملتی تھی جو اسقدر تکالیف اُٹھا کر اسی روٹی کے واسطے یہاں آئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جو لوگ آتے تھے اُن کے لئے جانتے ہو کوئی مہمانخانہ تجویز ہُوا ہُوا تھا۔ یا کوئی لنگرخانہ جاری تھا؟ کوئی نہیں۔ پھر بھی لوگ آتے تھے اور کوئی شکایت نہ کرتے تھے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے آتے تھے۔ اور وُہی اُن کی غرض ہوتی تھی ؂

غرض یہاں آؤ نہ اسلئے کہ روٹی یا بستر ملے۔ بلکہ اسلئے کہ تمہاری بیماریوں کا علاج ہو۔ تم خُدا کے مسیح اور مہدی سے فیض حاصل کرو ؂

ہماری بابت کچھ بھی خیال نہ کرو۔ ہم کیا اور ہماری ہستی کیا؟ ہم اگر بڑے تھے تو گھر رہتے۔ پاکباز تھے تو پھر امام کی ہی کیا ضرورت تھی۔ اگر کتابوں سے یہ مقصد حاصل ہوسکتا تھا تو پھر ہمیں کیا حاجت تھی ہمارے پاس بہت سی کتابیں تھیں۔ مگر نہیں ان باتوں سے

کچھ نہیں بنتا ٭

دیکھو ایک درد سر کا بیمار ایک کھانسی والے بیمار کے پاس ہو اور وہ ساری رات کھانستا رہے اور اُس کو تکلیف ہو اور اسکی شکایت کرے تو یہ شکایت بیجا ہو گی وہ خود مریض ہے اسی طرح پر ہم جس قدر یہاں ہیں اپنے اپنے امراض میں مُبتلا ہیں۔ اگر ہم تندرست ہو کر کسی مریض کو دُکھ دیں تو البتہ ہم جوابدہ ٹھہر سکتے ہیں۔ لیکن جبکہ خود مبتلائے مرض ہیں اور یہاں علاج ہی کے لئے بیٹھے ہیں تو پھر ہماری کسی حرکت سے ناراض ہونا عقلمندی نہیں ہے۔ پس ہمارے سبب سے ابتلا میں مت پڑو۔ جو لوگ ابتلاؤں سے گھبراتے ہیں میں سچے دل سے کہتا ہوں کہ وہ ہمارے لئے نہ آیا کریں۔ اور اگر ہماری کوئی تقریر ان کو پسند نہ آوے تو وہ یہ سمجھیں کہ ہم مامور نہیں۔ صادق مامور ایک ہی ہے جو مسیح اور مہدی ہو کر آیا ہے۔ پس خُدا سے مدد مانگو۔ ذکر اللہ کی طرف آؤ جو فحشا اور مُنکر سے بچانے والا ہے۔ اسی کو اُسوہ بناؤ۔ اور اسی کے نمونہ پر چلو۔ ایک ہی مُقتدا۔ اور مطاع اور امام ہے ٭

اللہ تعالےٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اسی سے سچا پیوند کریں ٭

اٰمین

تمت

اطلاع } اِس کے مطالعہ کے بعد اگر کسی صاحبِ توفیق کے دِل میں یہ نیک ارادہ جوش مارے کہ وہ اِسکی چند کاپیاں محض خُدا تعالیٰ کی رضا کیلئے مخالفوں میں مُفت تقسیم کرنا چاہے تو ہم اُنسے بخوشی نصف قیمت لینے کیلئے تیار ہیں بشرطیکہ وہ کم سے کم ۲۵ کاپیاں یکمشت خرید فرمائیں۔ درخواست پتہ ذیل پر ہونی چاہیئے :-

حکیم محمد حسین قریشی۔ حویلی کابلی مل۔ لاہور

TAFSIR SURA-I-JUMAH

By

HAKIM MAULVI NUR-UD-DIN SAHIB, AHMADI,
PROFESSOR, TALIM-UL-ISLAM, COLLEGE,
QADIAN.

Published by

Hakim MOHAMMAD HOSAIN, QURAISH,
Proprietor, Rafiq-us-sehat, Haveli Kabli Mall
LAHORE.

Printed at N. K. Gas Printing Press, Lahore.

First Edition *2000 Copies.* *Price 0-4-0.*

www.aaiil.org